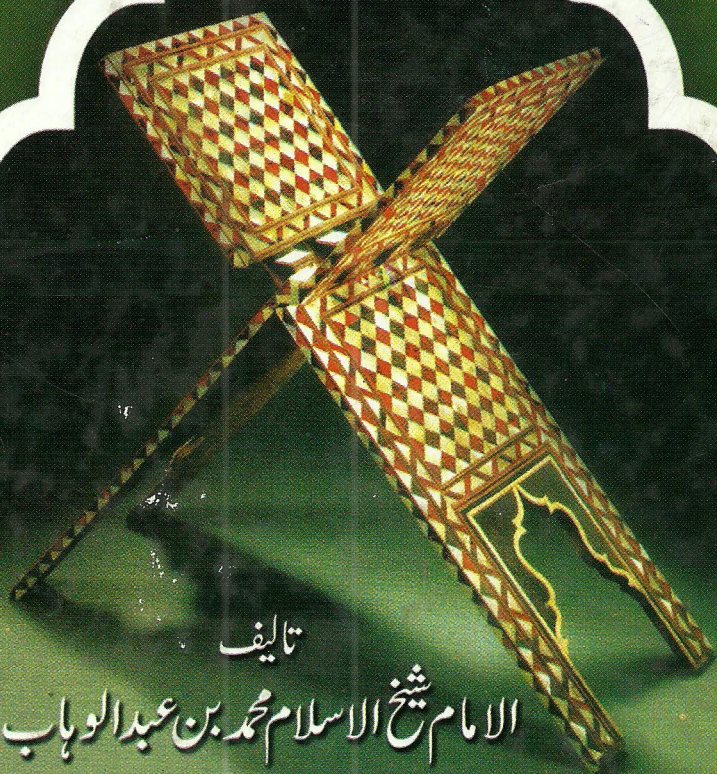
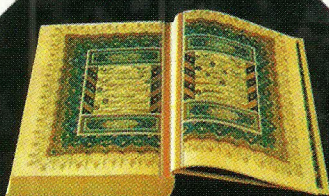


جاہلیت اور قرآن



تالیف

الامام شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب

جاملیت اور قرآن

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

NEW DELHI-110002

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دینی و دیگر علمی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور طباعت سے قبل کوشش کی جاتی ہے کہ نشاندہی کی جانے والی جملہ غلطیوں کی بروقت تصحیح کر دی جائے۔ اس کے باوجود غلطیوں کا امکان باقی رہتا ہے۔

لہذا قارئین کرام سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ علمی غلطیوں کی نشاندہی کریں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں تعاون کرنا صدقہ جاریہ کے مترادف ہے۔ (ادارہ)

نام کتاب

جاہلیت اور قرآن

تالیف :

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب

صفحات: ۲۰۸ قیمت: ۶۰/- روپے

طبع اول: اگست ۲۰۰۴ء

باہتمام

محمد ناصر خان

Name of the book

JAHILIYYAT AUR QUR'AN

By:

Shaikhul Islam Muhammad Bin Abdul Wahhab

1st Edition: August, 2004

Pages: 208

Price: Rs. 60/-

Size: 23x36/16



فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

Corp. Off.: 2158, M.P. Street, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2

Phones: 23247075, 23289786, 23289159 Fax: 23279998 Res.: 23262486

E-mail: farid@ndf.vsnl.net.in Websites: faridexport.com, faridbook.com

Printed at: Farid Enterprises, Delhi-6

فہرست مضامین

۳	فہرست مضامین
۹	مقدمہ از شارح
۱۱	غرض تالیف
۱۱	۱۔ صالحین کو پکارنا
۱۳	۲۔ تفرق
۱۴	۳۔ حکام کی مخالفت
۱۴	۴۔ تقلید
۱۸	۵۔ بدکردار عالم یا جاہل صوفی کی پیروی کرنا
۱۹	۶۔ آباء و اجداد کے مذہب کو بلا دلیل حجت ماننا
۲۲	۷۔ قلت تعداد سے حق کے خلاف استدلال کرنا
۲۴	۸۔ کسی چیز کے عجیب و غریب ہونے کی وجہ سے اُسے باطل سمجھنا
۲۵	۹۔ بہت سی طاقتور قوموں نے اپنی قوت اور حیلہ سازی سے دھوکہ کھایا
۲۹	۱۰۔ دولت مندوں کا اپنی دولت سے دھوکہ کھانا۔
۳۴	۱۱۔ اہل حق کے گمراہ ہونے کی وجہ سے حق کو حقیر سمجھنا۔
۳۶	۱۲۔ انصار حق کی عیب جوئی۔
"	۱۳۔ حق کی حمایت سے اس لیے تکبر کرنا کہ اس کے حامی شرفا رہیں ہیں۔
۳۸	۱۴۔ دین اسلام کے باطل ہونے پر کفار کا استدلال
۳۹	۱۵۔ کفار کی جہالت اور قیاس فاسد سے استدلال
۴۲	۱۶۔ صالحین کی شان میں غلو
۴۴	۱۷۔ اتباعت وحی سے معذرت

- ۴۶- ۱۸- حق کا اس لیے انکار کرنا کہ ہمارا گروہ یہ نہیں کہتا۔
- ۴۸- ۱۹- جادو کے خرافات کی اتباع کرنا
- ۵۰- ۲۰- نسبت میں تناقض
- ۵۱- ۲۱- نصوص میں تحریف
- ۵۲- ۲۲- کتب و بیہ میں تحریف
- ۵۳- ۲۳- ہدایت دینی سے پہلو تہی کر کے اس کے خلاف کو اختیار کرنا
- ۵۴- ۲۴- دوسرے کے پاس جو حق ہو اس کا انکار کرنا۔
- ۵۵- ۲۵- ہر گروہ ادعا کرنا کہ حق اس میں محصور ہے۔
- ۵۶- ۲۶- اقرار کے بعد انکار
- ۵۷- ۲۷- کھلم کھلا برہمنہ پھرنا
- ۵۹- ۲۸- حلال چیز کو حرام کرنا عبادت ہے۔
- ۶۳- ۲۹- اسماء و صفات الہی میں الحاد
- ۶۷- ۳۰- اللہ تعالیٰ کی طرف تقاض کی نسبت کرنا
- ۷۵- ۳۱- پھر وہ جو کچھ خالق کی طرف نسبت کرتے مخلوق کو اس سے منترہ قرار دیتے۔
- ۷۶- ۳۲- تعطل کا عقیدہ
- ۷۷- ۳۳- ملک میں شرکت (اباحیت)
- ۷۸- ۳۴- انبیاء کی نبوت سے انکار
- ۸۰- ۳۵- تقدیر کا انکار اور اس سے اللہ تعالیٰ پر احتجاج
- ۸۷- ۳۶- زمانہ کو گالی دینا
- ۹۰- ۳۷- اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو دوسروں کی طرف منسوب کرنا۔
- ۹۳- ۳۸- آیات الہی کے ساتھ کفر
- ۹۵- ۳۹- کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر باطل کتابوں میں دلچسپی۔
- ۹۷- ۴۰- اللہ کی حکمت میں جرح و فحاح۔

- ۴۱۔ مائکہ ورسل کے ساتھ کفر۔ ۱۰۲
- ۴۲۔ انبیاء ورسل کی تعظیم میں غلو۔ ۱۰۵
- ۴۳۔ علم کے بغیر حجہ رکھنا۔ ۱۰۶
- ۴۴۔ دین میں بغیر علم کے بحث کرنا۔ ۱۰۷
- ۴۵۔ یوم آخرت کا انکار۔ ۱۰۹
- ۴۶۔ آیت ”مالک یوم الدین“ کی تکذیب۔ ۱۱۰
- ۴۷۔ آیت کریمہ ”لَا يَبْعُ فِيهِ وَلَا خِلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ“۔ ۱۱۱
- ۴۸۔ شفاعت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی۔ ۱۱۲
- ۴۹۔ اولیاء اللہ کو قتل کرنا۔ ۱۱۲
- ۵۰۔ جنت و طاعوت پر ایمان رکھنا۔ ۱۲۸
- ۵۱۔ حق کو دفع کرنے کے لیے اس کا اقرار کرنا۔ ۱۳۱
- ۵۲۔ انبیاء کو خدا بنا لینا۔ ۱۳۲
- ۵۳۔ کتاب اللہ میں تحریف۔ ۱۳۳
- ۵۴۔ اہل ہدایت کو بُرے القاب سے یاد کرنا۔ ۱۳۶
- ۵۵۔ حق کی تکذیب۔ ۱۴۱
- ۵۶۔ مومنین پر افتراء۔ ۱۴۲
- ۵۷۔ مسلمانوں پر فساد ہونے کا الزام۔ ۱۴۳
- ۵۸۔ مسلمانوں پر تبدیلی دین کا الزام۔ ۱۴۴
- ۵۹۔ اہل حق پر مشدہ پروار ہونے کا الزام۔ ۱۴۴
- ۶۰۔ ان کے مذہب میں تناقض۔ ۱۴۵
- ۶۱۔ وہ حق پر عمل پیرا ہونے کا دعویٰ کرتے۔ ۱۴۹
- ۶۲۔ عبادت میں اضافہ۔ ۱۵۰
- ۶۳۔ عبادت میں کمی۔ ۱۵۱

- ۱۵۲۔ ۶۴۔ وہ پاکیزہ چیزوں کے ترک کو عبادت سمجھتے۔
- ۱۵۳۔ ۶۵۔ وہ سیٹیاں اور تالیاں بجانے کو عبادت سمجھتے۔
- ۱۵۴۔ ۶۶۔ عقیدہ میں نفاق
- ۱۵۵۔ ۶۷۔ بلا علم گمراہی کی طرف دعوت دینا۔
- ۱۵۶۔ ۶۸۔ علم کے باوجود گمراہی کی دعوت
- ۱۵۷۔ ۶۹۔ بہت بڑی مکاری
- ۱۵۸۔ ۷۰۔ علماء کی حالتِ نزار
- ۱۵۹۔ ۷۱۔ اولیاء اللہ ہونے کا دعویٰ
- ۱۶۰۔ ۷۲۔ شریعت سے اعراض
- ۱۶۱۔ ۷۳۔ جھوٹی آرزوئیں
- ۱۶۲۔ ۷۴۔ صالحین کی قبروں کو مسجدیں بنانا۔
- ۱۶۳۔ ۷۵۔ آثارِ انبیاء کو مساجد بنانا۔
- ۱۶۴۔ ۷۶۔ قبروں پر چراغاں کرنا
- ۱۶۵۔ ۷۷۔ قبروں پر میلے لگانا۔
- ۱۶۶۔ ۷۸۔ قبروں کے پاس جانور ذبح کرنا۔
- ۱۶۷۔ ۷۹۔ بزرگوں کے آثار سے تبرک
- ۱۶۸۔ ۸۰۔ حسب و نسب پر فخر
- ۱۶۹۔ ۸۱۔ ستاروں سے بارش طلب کرنا۔
- ۱۷۰۔ ۸۲۔ دوسروں کے نسب پر طعن
- ۱۷۱۔ ۸۳۔ نوحہ گری
- ۱۷۲۔ ۸۴۔ کسی شخص کو اس کے ماں باپ کے فعل پر عار دلانا۔
- ۱۷۳۔ ۸۵۔ کعبہ کی تولیت پر فخر
- ۱۷۴۔ ۸۶۔ انبیاء کی ذریت ہونے پر فخر

- ۱۸۹ - ۸۷۔ صنائع پر فخر
 ۱۹۰ - ۸۸۔ دنیا کی عظمت
 ۱۹۳ - ۸۹۔ فقراء کو حقیر سمجھنا
 ۱۹۷ - ۹۰۔ ملائکہ، وحی وغیرہ سے انکار۔
 ۱۹۹ - ۹۱۔ جبت و طاعت پر ایمان۔
 ۲۰۰ - ۹۲۔ علم کے باوجود کتمان حق
 " - ۹۳۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا۔
 ۲۰۱ - ۹۴۔ تناقض
 ۲۰۲ - ۹۵ تا ۱۰۰۔ کہانت وغیرہ۔
-

مقدمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰۤاَنَا لِلْیَسْرِیْنَ وَالْمُیَسِّرِیْنَ وَ اَنَارَ لَنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِیْمَ وَالصَّلٰوۃَ وَالسَّلَامَ عَلٰی سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ
وَالْاٰخِرِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ الْغَرَّ اَمِیْن۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد بندہ اللہ تعالیٰ کے عفو و غفران کا محتاج، محمود و شکر ہی
آگوستی بغدادی، اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے اور اس کے اعمال کو بہتر بنائے
عرض گزار ہے کہ مجھے ایک چھوٹا سا رسالہ ملا جو کثیر الفوائد ہونے کے ساتھ
ایک سو ایسے مسائل پر مشتمل تھا جن میں آنحضرتؐ نے عرب اور کتب اہل جاہلیت
کی مخالفت اختیار کی۔ یہ مسائل انہوں نے ان خود اختراع کر رکھے تھے نہ ان کے
متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل نازل کی گئی تھی اور نہ ہی کسی نبی سے
اخذ کیے گئے تھے۔

یہ رسالہ امام محی السنہ، مجدد شریعت نبویہ شیخ الاسلام ابو عبد اللہ محمد بن
عبدالوہاب نجدی حنبلی (تعمدہ اللہ بغفرانہ) کی تالیف ہے جو غایت اختصار کے
سبب آغاز کے قبیل سے ہے عام طور پر عبارت مجمل ہے۔ دلائل بھی مشروح
اور مفصل نہیں۔ دیکھنے سے کسی کتاب کی فہرست معلوم ہوتی ہے جس میں
فصول و ابواب کے بغیر مسائل شمار کر دیئے گئے ہوں۔ چونکہ یہ رسالہ ایسے مسائل
مہمہ پر مشتمل ہے جو ان کے ساتھ متنازع کرنے والے کو منازل رحمت میں لے جاتے
ہیں۔ میں نے چاہا کہ ان کے اجمال کی تشریح کر دی جاسے۔ اور مشکل کو اس طرح
کھول کر بیان کر دیا جاسے کہ نہ تو بجا مجمل اور نہ ہی اطناب ممل ہو بلکہ صرف اقوال کی
وضاحت پر اکتفا کی جاسے اور براہین و دلائل بیان کر دیئے جائیں۔ ممکن ہے

اللہ تعالیٰ اس سے مسلمانوں کو نفع پہنچائے اور اپنے نیک بندوں میں سے جسے
 چاہے ہدایت دے تاکہ ہمارے لیے ثواب اور قیامت کے دن کامیابی کا ذریعہ
 بن جائے۔ تمام تر توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اسی پر توکل اور اسی کی
 طرف لوٹنا ہے۔

غرض تالیف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مولف رحمہ اللہ نے فرمایا :-

یہ وہ مسائل ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جاہلیت کی مخالفت کی ہے۔ لہذا ہر مسلمان کے لیے ان کی معرفت ضروری ہے۔ کسی چیز کی ضد سے ہی اس کا حسن ظاہر ہوتا ہے۔ ۵۔

وَبَعْدُ هَاتَيْنِ الْأَشْيَاءِ

کہ اشیاء کے درمیان امتیاز ان کے اضداد سے ہوتا ہے۔

ان سب میں زیادہ اہم اور پرخطر چیز آنحضرتؐ کے پیش کردہ دین پر عدم ایمان ہے۔ پھر اگر اس کے ساتھ دین جاہلی کا استہسان اور اس پر ایمان بھی شامل ہو جاتے تو العباد باللہ۔ پھر خسران کے سوا کچھ نہیں۔ قرآن میں ہے :

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَٰئِكَ يَكُونُ لَهُمْ أَلْجُومًا لَا يُقْبَلُ لَهُمْ جُزَاءٌ شَيْءٌ وَلَا يَكُونُ لَهُمْ عِزٌّ شَيْءٌ وَلَا يُنصَرُونَ
اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا قیامت کے دن وہی نقصان پائیں گے۔ (العنکبوت ۵۲)

(۱)

صالحین کو پکارنا

اہل جاہلیت اللہ تعالیٰ کو پکارنے اور اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک بناتے اور سمجھتے کہ اس میں نیک لوگوں کی تعظیم ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ یہ نیک لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی شفاعت کریں گے۔ جیسا کہ سورۃ الزمر کے ابتداء میں فرمایا :

اَنَا اَسْأَلُكَ اِيَّاكَ اَلِكُتُبَ بِهَا نَحْيُ
 فَاَعْبُدُ اللّٰهَ مُخْلِصًا لِّهٖ الدِّيْنَ
 اَللّٰهُ الدِّيْنَ الْغَالِصُ وَالَّذِيْنَ
 اَتَعَذُّوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْ لِيَاْءَ مَا
 نَعْبُدُ هُمْ اِلَّا لِيُقَرَّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ
 زُفًى اِنَّ اللّٰهَ يَخْتُمُ بَيْنَهُمْ
 فَيَسَّوْهُمْ فَيَبْزِيْهِمْ يَخْتَلِفُوْنَ -

ہم نے یہ کتاب سچائی کے ساتھ تجھ پر
 اتاری تو اسے پیغمبر اللہ کو پوجتا رہ۔
 خالص اسی کی بندگی کر، سن کے خالص اسی
 کی بندگی کرنا چاہیے اور جن لوگوں نے
 اللہ کے سوا دوسروں کو (اپنا) حمایتی بنا رکھا
 ہے (وہ کہتے ہیں) ہم ان کو خدا سمجھ کر نہیں
 پوجتے (ہم تو ان کو بس اس لیے پوجتے ہیں)
 کہ ہم کو خدا کے نزدیک کر دیں۔ بے شک
 یہ لوگ جن باتوں میں اختلاف کر رہے ہیں
 اللہ قیامت کے دن ان کا فیصلہ کر دیگا۔

(نمبر ۲-۳)

تیز فرمایا:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا
 يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ
 هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ -

اور یہ (مشرک) اللہ کے سوا ان کو پوجتے
 ہیں جو نہ ان کا نقصان کر سکتے ہیں اور نہ
 فائدہ (یعنی بے) اور کہتے ہیں اللہ کے پاس
 یہ ہمارے سفارشی ہوں گے۔

(یونس ۱۸)

یہ مسئلہ سب سے بڑا مسئلہ تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
 کی مخالفت کی اور بتایا کہ اخلاص عبادت ہی اللہ کا وہ دین ہے جس کے سوا
 کوئی دین قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور جو شخص اس جاہلی طریق پر چلے گا اس پر
 جنت حرام ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ الغرض یہ مسئلہ پورے دین سے
 عبارت ہے اور اسی مسئلہ کی بنا پر لوگ دو گروہوں (مسلم و کافر) میں تقسیم ہو
 گئے اور ان کے مابین دشمنی پیدا ہو گئی اور اس کے خلاف جہاد شروع ہوا جیسا
 کہ سورۃ البقرہ میں فرمایا:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنُوْا فِتْنَةً

اور ان سے یہاں تک لڑو کہ دین میں خرابی

رکھ کر رہے اور پورا دین اللہ کا ہو جائے
(یعنی خدا کے سوا کسی کی پوجا نہ کی جائے)

وَيَكُونُ الَّذِينَ يَلْتَمِزُونَ
رَ الْبَقَرَةَ (۱۹۳)

(۲)

تفرق

دوسرا مسئلہ جس میں آنحضرتؐ نے جاہلیت کی مخالفت کی وہ باہم تفرق تھا۔ ان میں اتحاد نہ تھا اور کسی ایک کی سمیع و طاعت کو اپنے لیے بے عزتی اور ذلت خیال کرتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کو اتفاق و اتحاد کا حکم دیا، اور افتراق سے منع فرمایا۔

مسلمانو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے
ڈرنے کا حق ہے اور تاجہین جیات یعنی مرنے
تک اسلام پر قائم رہو اور سب مل کر اللہ
کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور پھوٹ
نہ کرو جیسے یہود و نصاریٰ الگ الگ فرقتے ہو
گئے، اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو اے اوس!
خزرج کے لوگو! جب تم ایک دوسرے کے
دشمن تھے رہو وقت تم میں لڑائی رہتی پھر
اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل ملا دیئے اور تم
اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم
آگ کے گڑھے کے کنارے آگے تھے اب
اس میں گرنے والے تھے، اللہ نے تم کو اس
سے بچا لیا۔ اللہ اسی طرح تم سے اپنی آیتیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا
اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَكَانَ تَمُوتُنَّ
إِذَا أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ -
وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا
وَكَانَ تَفَرَّقُوا وَادَّكَّرُوا نِعْمَةً
اللَّهُ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً
فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ
بِرَّعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى
شَفَا حُفْرٍ مِّنَ النَّارِ...
فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ
يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ

(آل عمران ۱۰۲، ۱۰۳) بیان کرتا ہے اس لیے کہ تم سچے راہ پر قائم رہو۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اسلام سے قبل اوس اور خزرج کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں اور ایک سو بیس سال تک قائم رہیں، اسی کو یہاں پر ”آگ کے کنارے کھڑے ہونے“ سے تعبیر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ تم میں اُلفت پیدا کر دی اور دلوں سے کینے زائل ہو گئے۔ ابن اسحاق نے یہی تاویل کی ہے۔ اور یوم بعاث آخری جنگ تھی جو ان کے درمیان قائم ہوئی۔ تاریخ الکامل میں ابن اثیر نے ان واقعات کو مفصل ذکر کیا ہے۔

لیکن بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں پر باہمی عداوت سے وہ تنازعات اور قتل و قتال مراد ہے جن میں مشرکین عرب عرصہ سے مبتلا چلے آ رہے تھے، انہیں سے ایک ”حرب بسوس“ ہے جیسا کہ حسن رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

اور سورۃ تغابن میں فرمایا۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا
وَأَطِيعُوا (التغابن ۱۶)

(مسلمانو! جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کا حکم سنو اور مانو۔

علاوہ ازیں قرآن میں بہت سی آیات ہیں جو استبداد و تفرق اور طاعت انقیاد نہ کرنے سے منع کرتی ہیں جس پر اہل جاہلیت قائم تھے۔

(۳)

حکام کی مخالفت

اہل جاہلیت میں تیسرا وصف یہ تھا کہ وہ حاکم وقت کی مخالفت اور اس کی طاعت نہ کرنے کو فضیلت شمار کرتے تھے اور بعض نے تو اس سے دین بنا لیا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت کی اور لوگوں کو حکام کے جو دستور پر صبر و تحمل، ان کی سمع و طاعت اور خیر خواہی کا حکم دیا اور

اس پر سختی کی اور بار بار متقین کی۔

یہ وہ تین خصلتیں ہیں جن کے متعلق ابھی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا اَنْ تَعْبُدُوهُ
وَاَنْ تُشْكِرُوْا بِهٖ شَيْئًا
وَاَنْ تَعْتَصِمُوْا بِعَبْلِ اللّٰهِ
جَمِيْعًا وَاَنْ تَتَصَحَّوْا مِنْ
وَسَاوِ اللّٰهِ اَمْرَكُمْ۔

کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری تین باتیں پسند ہیں
اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی
کو شریک نہ بناؤ اور سب بل کہ اللہ کی رستی
کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جسے اللہ تعالیٰ
تمہارا حاکم بنا دے اس کی خیر خواہی کرو۔

امام بخاری نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

مَنْ كَرِهَ مِنْ اَمِيْرٍ شَيْئًا
فَلْيَصْبِرْ، فَاِنَّهُ مِنْ خَرَجٍ
مِنَ السُّلْطَانِ شِدْرًا مَاتَ
مَيِّتَةً جَاهِلِيَّةً۔

کہ جسے حاکم سے کوئی تکلیف پہنچے اُسے
چاہیے کہ صبر کرے کیونکہ جو شخص سلطان
کی اطاعت سے ایک بالشت بھی نکل جائیگا
اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

نیز جنادہ بن ابی امیہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا : ہم عبادہ بن صامت
کی عبادت کے لیے گئے تو ہم نے کہا : اللہ تمہاری اصلاح فرمائے۔ ہمیں
کوئی حدیث سنائیے جو تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، تو
اُس نے کہا :

ایک نذر ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا تو ہم نے آپ سے بیعت کی اور
اس بیعت میں ہم سے عہد لیا کہ ہم خوشی ناخوشی، عسرویر میں آپ کی سب سے طاعت
مجالائیں گے اور دوسروں کے حق میں ایثار کریں گے اور جو حکومت کا اہل ہوگا
اس سے جھگڑا نہیں کریں گے الا یہ کہ ایسے مرتد کفر کا ارتکاب کرے جس پر
اللہ کے پاس کوئی دلیل ہو۔

چنانچہ سورۃ اعراف میں ان کو حکم دیا۔

اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ
مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا
مِن دُونِهِ أَقْبِيَاءَ قَلِيلًا
مَّا تَذَكَّرُونَ۔
(الاعراف: ۱۰۱)

(لوگو) جو تمہارے مالک کی طرف سے تم
اُنرا (یعنی قرآن و حدیث) اس کی پیروی
کرو اور اس کے (یعنی اللہ کے یا قرآن و
حدیث کے) سوا دوسرے چہیتوں کی پیروی
مت کرو۔

اور سورۃ البقرہ میں فرمایا۔

وَاذْكُرُوا مَا كُنْتُمْ
عَلَيْهِ اَبَاءُ نَا اَدَّوْا
كَانَ اَبَاءُ هُمْ
لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَّ لَا
يَهْتَدُونَ۔ (البقرہ: ۱۷۰)

اور جب ان سے (یعنی مشرکوں یا یہود سے)
کہو اللہ نے جو حکم تمہارے اس پر چلو تو
کتے میں نہیں، ہم تو اس طریق پر چلیں گے
جس پر ہم نے اپنے بزرگوں کو چلتے ہوئے
پایا، بھلا اگر ان کے بزرگ (باپ دادے)
بے عقل اور گمراہ ہوں؟

لے آج کل اہل بدعت کا بھی یہی حال ہے کہ کتاب و سنت کی بجائے آہود
اجناد کے رسوم کو مستند سمجھتے ہیں۔ بقول ابن عباسؓ یہ آیت گو یہود کے حق میں نازل ہوئی
ہے مگر اس میں ان تمام لوگوں کی سخت مذمت کی گئی ہے جو اپنے مذہبی پیشواؤں کے اقوال پر
کسی نظر و استدلال کے بغیر چپے چارے ہیں چونکہ تقلید کی تعریف بھی یہی ہے کہ کسی دوسرے کی بات کو دلیل معلوم
کیے بغیر قبول کر لیا جائے اس لیے جو لوگ اللہ کے سائل قیاس کو ان کی دلیل معلوم کیے بغیر واجب العمل سمجھتے ہیں انہیں
سوچنا چاہیے کہ آیا وہ بھی تو اس مذمت کے تحت نہیں آجاتے۔

تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ
قَبْلُ ذَٰلِكُمْ أَكْثَرًا ضَلُّوا عَنْ
سَوَاءِ السَّبِيلِ (المائدہ: ۷۷)

علاوہ ازیں اور بہت سی آیات ہیں جو فاسق فاجر جاہل اور گمراہ ملاؤں کی پیروی
کے بطلان کا اعلان کر رہی ہیں کہ یہ اہل جاہلیت کے سنن اور غلط طریقوں سے
ہے۔

(۶)

آبا و اجداد کے مذہب کو بلا دلیل حجت ماننا

چھٹی گمراہی یہ تھی کہ اہل جاہلیت عقل و دلیل کے بغیر اُمم سابقہ کے طریقوں کو
بطور دلیل پیش کرتے اور اس سے احتجاج کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات
میں اس احتجاج کو باطل کیا۔ چنانچہ فرمایا:

قَالَ مِمَّنْ ذُكِّرُوا بِمُوسَىٰ
قَالَ رَبِّنَا إِنَّا نَعْبُدُ آلِهَةً
خَلَقَهُمْ ثُمَّ هَدَىٰ قَالَ
فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ
قَالَ عَلِمْتُمْ فِيمَا لَكُمْ
فِي كِتَابٍ لَا يُضِلُّكُمْ

فرعون نے کہا موسیٰ! تمہارا رب کون ہے
موسیٰ نے کہا ہمارا مالک وہ ہے جس نے
ہر چیز کو ایک خاص صورت دی جو اس کے
مناسب ہے پھر اس کو زندگی بسر کرنے کا
طریقہ بتایا۔ فرعون نے کہا اگلے لوگوں کا
حال کیا ہونا ہے۔ موسیٰ نے کہا ان کا حال

۱۔ نصاریٰ نے حضرت مسیح کے معاملہ میں غلو کیا اور ایک بشر رسول کو الوہیت کے مقام پر کھڑا کر دیا ان کے
برعکس یہود نے حضرت مسیح کی توہین میں غلو کیا اور ان کی والدہ پر تہمت طرازی کی۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو بار بار نصیحت کی
کہ میرے معاملہ میں حد سے نہ بڑھنا اور مجھے بشریت کے مقام سے اٹھا کر خدائی کے مرتبہ تک نہ پہنچا دینا۔

میرے مالک کے ہاں ایک کتاب میں
 لکھا ہوا ہے میرا رب تو بھگتا ہے اور نہ
 بھولتا ہے اس نے تمہارے لیے زمین کو
 بکھونا بنایا اور تمہارے چلنے کیلئے اس میں رستے
 نکالے اور آسمان پانی برسایا پھر اللہ تعالیٰ فرماتا
 ہے ہم نے اس میں طرح طرح کئی قسم کے
 سبزے نکالے۔ لہ

وَلَا يَنْسَى الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ
 الْأَرْضَ مَهْدًا وَ سَدَّ لَكُمْ
 فِيهَا سُبُلًا وَ أَنْزَلَ مِنَ
 السَّمَاءِ مَاءً فَخَرَجْنَا
 بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْ ثَبَاتٍ
 شَتَّىٰ -

(طرہ ۴۹-۵۴)

اور سورۃ القصص میں فرمایا:

پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہماری کھلی
 نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے یہ تو بس
 جادو ہے جو یا نہر لیا گیا ہے (خدا کی طرف
 سے نہیں) اور ہم نے تو اپنے باپ وادوں
 کی طرف سے یہ نہیں سنا۔ اور موسیٰ نے
 جواب دیا کہ میرا مالک خوب جانتا ہے کون
 اس کے پاس سے ہدایت کی بات لے کر آیا
 ہے اور کس کا انجام بخیر ہوگا۔ کیونکہ ظالم پتہ
 نہیں دیکھتے۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا
 يَتَّبِعْتُمْ كَالْوَاهِدِ الْوَاحِدِ
 مُفْتَرًى وَمَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي
 آيَاتِنَا الْآلِ الْآلِينِ وَ قَالَ
 مُوسَىٰ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَن جَاءَ
 بِالْهُدَىٰ مِن عِندِمْ وَ مَن
 تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ
 لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ

(قصص ۳۴: ۳۷)

لہ ”پہلی امتوں کا کیا حال ہے“ یعنی اگر کرب وہی ہے جو تم بیان کر رہے ہو تو پہلی امتیں جو
 نسلاً بعد نسل دوسروں کو اپنا رب سمجھتے آئے اور ان کی بندگی کرتے چلے آئے ہیں کیا وہ سب گمراہ اور
 مستحق عذاب تھے۔ اس سے فرعون کا مقصد لوگوں کے جذبات کو بھڑکانا تھا۔ آج بھی اہل حق
 کے خلاف اہل باطل جابوں کو مشتعل کرنے کے لیے یہی ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں اور اسے
 اپنا کارگر حربہ سمجھتے ہیں۔

اور سورۃ مومنین میں فرمایا:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ
قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا
لَكُمْ مِنَ اللَّهِ عِيقٌ أَفَلَا
تَتَّقُونَ ، فَقَالَ الْمَلَأُ الْتَائِبِينَ
كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا
إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ
يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ
اللَّهُ لَأَنزَلَنَا مَلَكًا
مِمَّا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي
آبَائِنَا الْكَافِرِينَ ،
إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ
جَنَّةٌ نَقَرَتْ بِصُورٍ حَتَّى
جَبِينِ (المومنون ۲۳، ۲۵)

اور سورۃ ص میں فرمایا:-

وَأَنطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا
وَاصْبِرُوا عَلَىٰ آلِهَتِكُمْ إِنَّ هَذَا
لَشَيْءٌ جَدِيدٌ مِمَّا سَمِعْنَا بِهَذَا
فِي الْآيَةِ الْأُخْرَىٰ إِنَّ هَذَا
إِلَّا اخْتِلَافٌ (ص ۶، ۷)

یعنی کس بشر پیغمبر موعی کیا ہو یا توحید کی طرف دعوت دی ہو

الغرض وہ پیغمبروں کی دعوت کو ٹھکرانے کے لیے یہی دلیل پیش کرتے رہے کہ اُن کے اسلاف اس پر نہیں تھے اور نہ ہی ان سے یہ دعوت توحید معروف ہے ان کی اس روش سے اُن کی سوء فہمی اور طبائع کے جمود کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اگر وہ بصیرت سے کام لیتے یا کان کھول کر حق کی آواز سُنتے تو ضرور ہی قائل ہو جاتے اور بدوں کسی بہانہ کے یقین کر لیتے اب یہی حلال ان کے خلف کا ہے اور ان کے ذہن ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔

(۷)

قلبت تعدا سے حق کے خلاف استدلال

کفار کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ کثرت پر بھروسہ کرتے رہے ہیں اور سوادِ اعظم ہونے کی وجہ سے اپنے حق پرست ہونے کے مدعی رہے ہیں اور اہل حق کے قلیل التعداد ہونے کی وجہ سے ان کے باطل ہونے پر استدلال کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس نظریہ کی تردید کی اور بتایا نہ تو کثرتِ عدو اور سوادِ اعظم ہونا حق پر ہونے کی دلیل بن سکتا ہے اور نہ ہی قلتِ عدو کسی گروہ کے باطل ہونے پر حجت ہو سکتا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے اکثریت باطل پر رہی ہے اور اقلیت حق پر قائم رہی ہے۔ سورۃ النعام میں فرمایا:

وَإِنْ تَطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي
الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ
اللَّهِ، إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الْهَوَىَّ
وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ،
إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ
رَمَدَ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ

اے پیغمبر اگر تو ان لوگوں کے کہنے پر چلے جو
دنیا میں یا مکہ میں (زیادہ ہیں تو وہ تجھ کو خدا
کی راہ سے ہلکا دیں گے۔ یہ لوگ صرف
اپنے خیال پر چلتے ہیں اور کچھ نہیں مگر
انہیں دوڑاتے ہیں بے شک تیرا مالک
خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے ہٹ گیا

اعْلَمُوا بِالْمُهْتَدِينَ

اور وہ راہ پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

(انعام ۱۱۶، ۱۱۷)

لہذا اگر اکثریت حق کے خلاف ہو تو یہ اس بات کا موجب نہیں ہے کہ اصحاب بصیرت حق کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کر لیں۔ حق اتباع کا زیادہ حقدار ہے۔ خواہ اس کے حامی تعداد میں کم ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسے فرمایا ہے۔

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعَجْتِكَ إِلَىٰ فَاجِمٍ وَاتَّكَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لِيَبْغِيَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ۔

واؤ ڈالنے کے لیے شک یہ تجھ پر ظلم کرتا ہے جو تیری ایک دُوبنی مانگ کر اپنی خانوسے دُوبیوں میں مانا چاہتا ہے اور اکثر ساقی ایک دوسرے پر زیادتی کرتے رہتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے کام کرتے ہیں (وہ ایسا نہیں کرتے) اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

(ص ۲۴)

اس آیت کریمہ میں بتایا ہے کہ اہل حق ہمیشہ تقوڑے رہے ہیں لیکن یہ قلت اُن کے حق میں مُضر نہیں ہے۔ شاعر نے کہا ہے:

نُعَيِّرُنَا آتَا قَلِيلٌ عَدِيدُنَا فَقُلْتُ لَهَا إِنَّ الْكَرَامَ قَلِيلٌ

وہ ہمیں اس بات پر عار دلاتی ہے کہ ہماری تعداد کم ہے، تو میں نے اس سے کہا شرفاء ہمیشہ ہی کم رہے ہیں۔

مقصد یہ کہ جو لوگ صاحب بصیرت ہیں وہ دلیل پر غور کرتے ہیں اور برہان سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ گو اس کی معرفت بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ جو دلیل کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ اور جو لوگ اکثریت کو دیکھتے ہیں اور عوام کی عادت مانوفہ پر چلتے ہیں اور دلیل پر غور نہیں کرتے وہ سراسر خطا کار ہیں اور جاہلیت کے راستہ پر چلتے ہیں جو اہل بصیرت کے نزدیک غلط اور معیوب ہے۔

کسی چیز کے عجیب و غریب ہونی کی وجہ سے اسے باطل سمجھنا

اہل جاہلیت کی ایک گمراہی یہ بھی تھی کہ وہ کسی چیز کی غرابت سے اس کے بطلان پر استدلال کرتے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ ہود میں اس کی تردید فرمائی:

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنِّي قَلِيلٌ أَوْ لَوْ يَفْقَهُ بَقِيَّةُ يَوْمٍ مِّنَ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ أَكَلًا لِّبِلَالٍ وَتَنَازًُّا مِّنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ۔ (ہود ۱۱۶)

تو ان قوموں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسے اچھے لوگ کیوں نہ پیدا ہوئے، جو ملک میں فساد مچانے سے منع کرتے رہتے تاہم ان میں تھوڑے ایسے لوگ نیکے جن کو عذاب سے نجات دی اور ظالم لوگوں نے تو وہی مزے اختیار کیے جن میں مست ہو رہے اور وہ بدکار تھے۔

اس آیت کریمہ میں ”فَلَوْلَا كَانَ“ میں ”لولا“ کو حرف تخصیص ہے مگر اس میں افسوس کے معنی پاتے جاتے ہیں۔ پس ”فَلَوْلَا“ بمعنی ”فہلاً“ کے ہے اور قرون ان قوموں کو کہا جاتا ہے جو قریب قریب ایک ہی زمانہ میں ہو گزری ہوں اور ”أَوْ لَوْ يَفْقَهُ بَقِيَّةُ يَوْمٍ“ اصحابِ راحت اور اصحابِ فضیلت مراد ہیں کیونکہ بقیۃ کے معنی فضیلت کے ہیں اور اس کا نقل کے لیے ہے اسی سے محاورہ ہے:۔

فَلَانٌ مِّنْ بَقِيَّةِ الْقَوْمِ کہ فلاں شخص قوم کے عمدہ ترین لوگوں سے ہے اور اسی سے کہا جاتا ہے: فی الزوا یا خیایا و فی الرجال بقایا کہ کناروں میں چھپی چیزیں ہوتی ہیں اور لوگوں میں عمدہ لوگ موجود ہیں اور فساد فی الارض سے مراد کفر اور معاصی ہیں اور ”الْأَقِلُّ“ استثناء منقطع ہے۔ یعنی ان میں

بہت کم لوگ ایسے ہوتے۔ جنہیں ہم نے نبی عن المنکر کی وجہ سے نجات دی۔

(۹)

بہت سی طاقتور قوموں نے اپنی قوت اور حیلہ سازی سے دھوکہ کھایا

قرآن نے بیان کیا ہے کہ جب کسی قوم کو فہم و ادراک کی قوت عطا کی گئی اور ان کو قدرت و حکومت دی گئی تو انہوں نے اپنی عقل و فراست کی بنا پر یہ سمجھا کہ ہم اتنے بڑے دانشور اور صاحب تدبیر ہوتے ہوئے گمراہ نہیں ہو سکتے۔

چنانچہ قرآن نے ان کے اس زعم کی تردید کی اور فرمایا:

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ
أُوْدِيَّتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ
مُّبْطِرٌ نَّآءِلٌ هُوَ مَا
اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ رِيحٌ فِيهَا
عَذَابٌ أَلِيمٌ ثَدِثُوا
كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا
فَاصْبِرُوا كَمَا كُنْتُمْ
كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُقْتِرِ
مُتَكَبِّرِينَ وَلَقَدْ
مَكَّنَّمْ فِيهَا إِنْ مَكَّنَّاكُمْ
وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَ
أَبْصَارًا وَ أَفْئِدَةً فَمَا

جب انہوں نے ایک ابرہہ کھاجوان کی
واپسیوں پر امنڈا آ رہا ہے تو کہنے لگے یہ
ابرہہ پر برستا معلوم ہوتا ہے بلکہ یہ وہ
عذاب ہے جس کی تم جلدی مچا رہے تھے۔
آندھی ہے جس میں تکلیف کا عذاب ہے
یہ آندھی اپنے مالک کے حکم سے سرچیز
کو برباد کر دے گی۔ پھر ایسا ہی ہوا وہ ایسے
ہی تباہ ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا اور
کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ ہم گنہگاروں کو ایسی
ہی سزا دیتے ہیں، ہم نے عاد کے لوگوں
کو وہ مقدور دیا تھا جو تم کو نہیں دیا اور ہم
نے ان کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے تھے

فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَكَأَبْصَارُهُمْ وَكَأَفْئِدَتُهُمْ مِنْ شَيْءٍ إِذْ كَانُوا يَجْعَلُونَ بَيَانَ اللَّهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ۔

لیکن چونکہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے تو اُن کے کان اور آنکھیں اور دل کچھ ان کے کام نہ آئے اور جس کا وہ ٹھٹھا اڑاتے تھے وہی اُن پر اُلٹ پڑا۔

(الاحقاف ۲۴، ۲۶)

یعنی قوم عاد کو قوت و قدرت دی تھی اور آیت کریمہ "فَيَسْمَٰئُ اِنْ مَكَّنَّا لَهُمْ فَيَسْمَٰئُ" میں ما موصولہ یا موصوفہ ہے اور "اِنْ" نافیہ ہے۔ یعنی ہم نے تمہیں وہ فراخی، وسعت لمبی عمری اور تمام تصرفات کے اسباب نہیں دیئے۔ جیسا کہ سورۃ النعام میں فرمایا: لَظْمٌ بِيَرِّوْا، كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنَّا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ۔

ہم نے ان کو زمین میں ایسی تمکنت دی تھی جو تم کو نہیں دی۔

(النعام ۶)

اور لفظ ما نفی کے لیے نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں تکرار نفی لازم آتا ہے اور ہم نے کان، آنکھیں اور دل دیئے تھے تاکہ وہ اُن سے کام لے کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی معرفت حاصل کریں اور منعم حقیقی کے شتوں پر استدلال کریں اور اس کا شکریہ بجا لائیں۔

یٰٰن یہ حواس یعنی سمع و بصر اور دل اُن کے کچھ کام نہ آئے کیونکہ انہوں نے قوتِ سماعت کے ذریعہ وحی کو نہ سنا اور نہ پیغمبروں کی وعظ و نصیحت پر کان دھرا۔ اور یہی آیت کو نبیہ کو دیکھا جو صحیفہ عالم پر کندہ ہیں اور نہ دلوں سے معرفتِ الہی حاصل کی۔ بالآخر جس عذاب کا وہ استہزاء اڑا رہے تھے اور پیغمبر سے کہہ رہے تھے فَاٰتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ کہ اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب لا کر دکھاؤ۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ کسی قوم کا قوتِ فہم و ادراک اور قدرتِ سلطنت

سے بہرہ یاب ہونا اس کے گمراہ نہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ دیکھیے قوم عاد کو کس قدر قوت و دولت، قوی جہانی اور فہم و ادراک سے وافر حصہ ملا تھا۔ جن کے مقابلہ میں ظہور اسلام کے وقت مشرکین عرب کی کچھ حیثیت نہ تھی۔ لیکن پھر بھی وہ گمراہ ہو گئے اور باطل طریقوں سے پیغمبروں کی مخالفت کی۔ پس دولت ایمان سے بہرہ ور ہونا اور طریق حق پر چلنا محض فضل الہی ہے اور کثرت مال اور خوشحالی سے یہ دولت حاصل نہیں ہو سکتی۔ جو شخص حق کو ٹھکرائے اور اپنے سے زیادہ خوشحالی لوگوں کی حالت سے استدلال کرے جنہوں نے حق کو قبول نہ کیا اور نہ عقل و فکر سے کام لے کر دلیل و برہان کی اتباع کی تو ایسا شخص جاہلیت کے راستہ پر گامزن ہے اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ طریق سے عدول کیے ہوئے ہے۔

اسی طرح یہود کے متعلق فرمایا:

وَكَا نُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْهِجُونَ
عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَئِمَا
جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ
فَلَعَنَهُ اللَّهُ عَلَىٰ أَكْثَرِينَ

اور اس سے پہلے کافروں کے مقابلے
میں اس کی مدد مانگا کرتے تھے پھر جب
وہ آگیا جسے وہ پہچان چکے تھے تو ان کے
اس کا انکار کرنے خدا کی لعنت کافروں

پر۔

(البقرہ: ۸۹)

یہود کو ان کی اپنی کتابوں کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رسالت کا علم ہو چکا تھا کہ عنقریب عرب سے ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے اور آپ کی بعثت سے قبل وہ مشرکین عرب پر آپ کی بعثت کے ذریعہ فتح طلب کرتے تھے اور کہا کرتے تھے ہمارے پروردگار! نبی موعود کو ارسال فرما تاکہ ہم اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کریں پھر جب وہ پیغمبر آگیا جسے وہ پہچان چکے تھے تو ازراہ حسد آنحضرت کی رسالت کے منکر ہو گئے کہ عرب میں نبوت کیسے چلی گئی۔ حالانکہ ہم مل و دولت میں ان سے بڑھ کر ہیں۔ لیکن انہوں نے یہ نہ سوچا کہ نبوت تو محض فضل الہی ہے اللہ جسے چاہتا ہے اس سے نوازتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ

میں فرمایا۔

الَّذِينَ آمَنُوا هُمْ أَكْبَرُ مِنْكُمْ شَرًّا
كَمَا يَعْبُرُونَ آبَاءَهُمْ
وَأَنْ قَرِيبًا مِنْهُمْ لِكَلِمَةٍ لَحِقَ
وَهُمْ يَعْلَمُونَ الْحَقَّ مِنْ رَبِّكَ
فَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُمْتَرِينَ

جی لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اُس
کو (یعنی آنحضرت کو) ایسا پہچانتے ہیں
جیسے اپنے بیٹوں کو، اور ایک فرقہ ان
میں سے جان بوجھ کر حق بات چھپاتا
ہے۔ حق بات وہی ہے جو میرا پروردگار
فرماتے تو شک کرنے والوں میں مت

شریک ہو۔

(آیت ۱۴۶-۱۴۷)

اس آیت کریمہ میں ”يعرفونه“ میں ہ کی ضمیر کا مرجع لفظ علم ہے جس سے قبل
آیت (۱۴۵) میں ہے۔

وَلَقَدْ أَتَيْنَا آلَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا
جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذَا لَتَمِينَ
الْقَلْبَيْنِ۔

اور جو علم تجھ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے
پہنچا ہے اگر اس کے بعد بھی ان کی خواہش
پر چلے تو تیرا شمار بھی ظالموں میں ہوگا۔

میں مذکور ہے۔ لہذا ان کا حق کو چھپانا اور مفقعی علم پر نہ چلنا جاہلیت کی وجہ سے ہے
اور ان کے اسی اعتقاد کی بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل صرف انہی کے لیے ہے ان
کے سوا دوسرے اس سے بہرہ یاب نہیں ہو سکتے اور سورہ الانعام کی آیت لَقَدْ
معنی اس آیت کے عین موافق ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

قُلْ أَيْ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَرًّا
قُلْ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ
وَأَوْحَىٰ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ
يُؤْمِرُكُمْ بِهِ وَ مَنْ يُلْغِ
أَمْرَكُمْ لَشَهِيدُونَ أَنْ مَعَ
اللَّهِ الْإِمَّةُ الْآخِرَىٰ قُلْ لَا

(اے پیغمبر ان سے) کہہ دے کس کی گواہی
سب سے بڑی گواہی ہے کہ اللہ میرے
اور تمہارے درمیان گواہ ہے اور یہ قرآن مجید
مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا
ہے تاکہ میں تم کو اور جنہیں یہ قرآن رقیامت
نک پہنچے، ڈراؤں کیا تم یہ گواہی دیتے

اَشْهَدُ قَدْ اَتَمَّا هُوَ اِلَهُ
 دَاخِلًا وَ اِخْتِئِ بَرِيئًا
 تُشْرِكُونَ، الَّذِيْنَ اَتَيْنَهُمُ
 الْكِتَابَ يَعْرِفُوْنَ
 اَنْبَاءَهُمْ الَّذِيْنَ
 اَنْفُسُهُمْ فَهُمْ لَا
 يَخْشَوْنَ
 (انعام ۱۹، ۲۰)

ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے بھی شریک
 ہیں۔ اے پیغمبر کہہ دے کہ میں گواہی نہیں
 دوں گا تم کہہ دو کوئی نہیں وہ ایک خدا ہے
 اور میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں،
 جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ تو اس
 پیغمبر کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے
 بیٹوں کو پہچانتے ہیں، جنہوں نے اپنی جانوں
 کو نقصان پہنچایا وہ ایمان نہ لائیں گے۔

(۱۰)

دولت مندوں کا اپنی دولت سے دھوکہ کھانا

ان کی دسویں گمراہی یہ تھی کہ وہ مال و دولت کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ وہ اللہ
 کے محبوب ہیں۔

چنانچہ سورۃ سبا اور دیگر سورتوں میں اُن کے اس زعم کی تردید کی اور فرمایا:

وَمَا اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ
 اِلَّا قَالُوْا مُتَرَفُّوْهُا اِنَّا بِمَا
 اُرْسِلْتُمْ فِيْهِ كَاْفِرُوْنَ، وَ قَالُوْا
 نَحْنُ الْاَكْثَرُ اَصْحٰوًا وَّاُوْدَا
 وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ، قُلْ اِنَّ
 رَّبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ
 وَيَقْدِرُ، وَاَلَيْسَ لِّلَّذِيْنَ
 اٰتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ،

اور جب ہم نے کسی بستی میں ڈرانے والا
 بھیجا تو وہاں کے آسمودہ لوگ بھی کہتے رہے
 کہ تم جو دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کو
 نہیں مانتے اور یہ کہتے ہیں ہم مال اور
 اولاد تم سے زیادہ رکھتے ہیں اور ہم کو
 عذاب ہونے والا نہیں ہے کہہ دے
 میرا مالک جسے چاہتا ہے فراغت کے
 ساتھ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے

تنگی کے ساتھ دیتا ہے لیکن اکثر لوگ
 نہیں جانتے اور تمہارے مال اور اولاد کے
 تم کو ہمارا قریب حاصل نہیں ہو سکتا البتہ
 جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے تو ایسے
 لوگوں کو ان کے عملوں کا دوسرا ثواب ملے
 گا اور وہ بلا خالوں میں امن سے رہیں
 گے اور جو ہماری آیتوں میں بگاڑ کر پیش
 کر رہے ہیں یہ سمجھ کر کہ وہ ہمارے قریب
 نہ آئیں گے وہ عذاب میں گرفتار ہونگے
 کہہ رہے کہ میرا مال کس جسے چاہتا ہے اپنے
 بندوں میں سے روزی فراخ دیتا ہے اور
 جسے چاہتا ہے تنک کر دیتا ہے اور کم لوٹ
 جو خرچ کر و گے وہ اس کا بدلہ دے گا اور وہ
 سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَفْرَادُكُمْ
 يَأْتِي تَقَرُّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلفًا
 إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا
 فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الْفَضْلِ
 بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ
 آمِنُونَ - وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ
 فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ
 فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ -
 قُلْ إِنْ رَفِئَ يَبْسُطُ إِلَهُ رِزْقُ
 بَلْ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادٍ
 وَ يَقْدِرُ لَهُ مَا أُنْفَقْتُمْ
 مِنْ شَيْءٍ فَمَهُوَ يُخْلِفُهُ وَ
 هُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ -

ربیعہ ۳۳ - ۳۹

اور سورہ قصص میں فرمایا :-

اور جب ہم نے موسیٰ کو آواز دی تھی تو اس
 وقت بھی تو طور پہاڑ کی طرف موجود نہ تھا
 لیکن میرے رب کی مہربانی ہے کہ تجھے
 پیغمبر بنا کر بھیجا تاکہ تم ایسی قوم کو ڈراؤ جن
 کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں
 آیا تاکہ ان کو نصیحت ہو ایسا نہ ہو کہ جب
 ان کے برے اعمال کی وجہ سے ان پر کوئی
 مصیبت آپڑے تو وہ کہنے لگیں تاکہ ہمارے

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ
 نَادَيْنَا وَلَكِنْ رَرَحْمَةً مِنْ
 رَبِّكَ لِيُخْذَرَ قَوْمًا مَّا آتَاهُمْ
 مِنْ تَذْوِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ
 يَتَذَكَّرُونَ وَ لَوْ لَا أَنْ تُصِيبَهُمْ
 مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ آيَاتِنَاهُمْ
 فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْ لَا أَرْسَلْتَ
 إِلَيْنَا رَسُولًا قَدْ خَلَتْ مِنْ آيَاتِنَا

تو نے ہمارے پاس ایک پیغمبر کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیات پر چلتے اور مسلمان ہو جاتے پھر جب ہماری طرف سے سچا پیغمبر ان کے پاس پہنچا تو کہنے لگے ان کو ویسے معجزے کیوں نہ دیئے گئے۔ جیسے موسیٰ کو دیئے گئے تھے۔ کہا ان سے پہلے لوگوں نے ان معجزوں کا انکار نہیں کیا جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے۔ کہنے لگے موسیٰ اور ہارون دونوں جادوگر ہیں ایک دوسرے کے مددگار اور کہنے لگے ہم تو کسی کو بھی نہیں مانتے۔ کہدو اگر تم سچے ہو تو اس سے بڑھ کر کوئی راہ بتانے والی کتاب تم اللہ کے پاس سے لے آؤ میں اس پر چلنے کو حاضر ہوں۔ پھر اگر وہ ایسا نہ کر سکیں تو سمجھ لے کہ وہ حق کی پیروی کی بجائے اپنی خواہشات پر چلنا چاہتے ہیں اور اس سے کون زیادہ گمراہ ہوگا جو اللہ کی بدلت کے بغیر اپنی خواہش پر چلے بے شک اللہ تعالیٰ کسی ظالم قوم کو راہ پر نہیں لگاتا۔

اسی طرح سورۃ القصص کی دوسری آیات میں فرمایا :

بلاشبہ قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا پھر لگا ان پر بڑائی کرنے اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے تھے کہ ایک قوی جماعت کو ان کی کنجیاں اٹھانا مشکل

وَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْ كُنَّا أَوْفَىٰ مِنْهُ مَا أَوْفَىٰ مُوسَىٰ، أَوْ لَمَّا يَكْفُرُوا بِمَا أَوْفَىٰ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ قَالُوا سِحْرَانِ تَظَاهَرَا وَقَالُوا إِنَّا بِكُمْ لَكَافِرُونَ، تِلْكَ نَاسُ الْيَتَابِ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِنَّ لَكُمْ لَمَدِينَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ إِنَّكَ يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَ مَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ، إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الضَّالِّينَ،

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنْ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُودُ بِالْعُصْبَةِ أُولَى الْقُوَّةِ

اِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْعَلْ ۖ
 اِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ۚ
 وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ
 الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ
 الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ
 اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ
 فِي الْأَرْضِ ۚ اِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
 الْمُفْسِدِينَ ۚ قَالَ لَا تُنَمَّا
 أَوْ تَبْنِ عَلَىٰ عِلْمٍ ۚ عِنْدِي
 أَوْ لَمْ يَعْلَمِ أَتَى اللَّهُ
 قَدَّاهُكَ مِنْ قَبْلِهِ
 مِنَ الْفُرُوقِ مَنْ هُوَ
 أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَآكْثَرُ
 جَمْعًا وَلَا يُسْأَلُ عَنْ
 عَمَلِهِ ذُنُوبُهُمْ
 الْمُجْرِمُونَ

(القصص ۷۶، ۷۸)

ہوتا۔ ایک بار اس کی قوم والوں نے اُس
 سے کہا اتنا مت اترا کیونکہ اللہ تعالیٰ
 اترا لے والوں کو پسند نہیں کرتا اور اللہ
 تعالیٰ تجھے جو کچھ دے رکھا ہے اس سے
 پچھلے گھر کا سامان کر اور دنیا میں تمہارا حصہ
 ہے اسے اسے مت بھول اور جیسے اللہ تعالیٰ
 نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی اللہ کی مخلوق
 پر احسان کر اور ملک میں فساد مت مچا۔
 بے شک اللہ تعالیٰ فساد مچانے والوں کو
 دوست نہیں رکھتا۔ قارون نے کہا یہ مال
 تو مجھے میرے اوصاف کو جان کر اللہ نے
 دیا ہے۔ یعنی اگر میں اللہ کے نزدیک پسندیدہ
 ہوتا تو مجھے یہ مال نہ ملتا۔ کیا اُسے یہ معلوم
 نہیں ہوا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے
 ایسی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے جو اس سے
 زیادہ قوت اور زیادہ پونجی رکھتی تھیں۔
 اور گنہگاروں سے اُن کے گناہ پوچھے نہ
 جائیں گے۔

اسی طرح قرآن نے سورۃ سبا کی آیت قل ان ربی الا اور القصص کی آیت میں
 اس جاہلی نظریہ کی تردید کی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت
 اور اس کی رضا مندی ماس کی طاعت و فرمانبرداری اور دین کے متبع ہونے کی
 کے سامنے ٹھک جانے سے حاصل ہوتی ہے، مال و دولت کی وسعت اور
 خوش حالی کسی شخص کی نجات کی دلیل نہیں بن سکتے۔ اگر دنیا و مافیہا کی قدر و قیمت

اللہ کے نزدیک پھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو نافرمان کو پانی کا ایک گھونٹ بھی میسر نہ ہوتا۔ قرآن میں ہے :-

وَكَوْكَأَنَّ يَكُونُ النَّاسُ أُمَّةً
وَاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ
بِالْحَمَنِ بُيُوتَهُمْ سَقْفًا
مِّنْ فَضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا
يَظْهَرُونَ

اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ لوگ سب ایک
طریق یعنی کفر پر ہو جائیں گے تو ہم تو
جو لوگ خدا سے رحمن کو نہیں مانتے ان
کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے
اور سیڑھیاں بھی جن پر چڑھتے (اترتے)

(الزخرف: ۳۳)

اسی بنا پر کسی نے کہا ہے

کرم عالم عالم المیت مذاہبہ
بعض اکابر نے کہا ہے

رَضِينَا قِسْمَةَ الْجَبَارِ فِينَا
فَاتِ الْمَالِ يَفْنَى عَنْ قَرَابِيبِ

ہم اپنے درمیان اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی ہیں کہ ہمیں علم اور جاہلوں کو
مال ملے بلاشبہ مال تو عنقریب فنا ہو جائے گا لیکن علم کی دولت
باقی رہے گی جو کبھی فنا نہیں ہوگی۔

اس قسم کے بہت سے شواہد ہیں اس سے مقصد یہ ہے کہ اہل جاہلیت کا یہ
نظریہ بالکل باطل تھا کہ جسے دنیا کی زیب و زینت حاصل ہو وہ عند اللہ بھی مقرب ہوتا
ہے، کوئی بھی صاحب بصیرت آدمی اسے قبول نہیں کر سکتا۔

ابو الحسن احمد بن حنبل کی المعروف بابن الراوندی رحمہ اللہ اس کے بعد یہ شعر ہے

هَذَا الَّذِي تَشْرِكُ الْاَدْهَامَ حَاشَرَةً
وصیل العالم الخویر زندیقاً
کہ اس بات نے لوگوں کے خیالات کو پریشان کر رکھا ہے اور بڑے بڑے الشوروں کو زندیق بنا دیا ہے۔

اہل حق کے کمزور ہونے کی وجہ سے حق کو حقیر سمجھنا

مخالفین نے دعوتِ حق کو اس لیے ٹھکرایا کہ اس دعوت کے قبول کرنے والے کمزور اور کمین ہیں اور کمزور لوگوں کے قبول کرنے سے اس کے بطلان پر استدلال کرتے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں قرآن نے کفار کے کلام کی حکایت کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ، اِذْ
قَالَ لَهُمْ اخُوهُمْ نُوحٌ اَكَا
تَتَّقُونَ، اِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ اَمِينٌ
فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ، وَمَا
اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اُجِرِيَ
اِلَّا بَعْلِي رَبِّ الْعَالَمِينَ،
فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ،
فَالَوْ اَنَّكُمْ مِنْكُمْ لَتَأْتِيَنَّكُمْ
الْوَعْدُ كُنُونَ، قَالَ وَمَا عَلَيَّ
بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ، اِنَّ
حَسَابُكُمْ اِلَيَّ عَلَيَّ رَاقٍ لَوْ
تَشْعُرُونَ وَمَا اَنَا بِطَّيِّرٍ
مُؤْمِنٍ، اِنَّ اَنَا اِلَّا نَذِيرٌ
مُبِينٌ،

نوحؑ کی قوم نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان کے بھائی نوحؑ نے ان سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے۔ میں تمہاری طرف ایک امانتدار پیغمبر ہوں تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس نصیحت پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا میرا اجر تو بس اسی پر ہے جو سارے جہان کا مالک ہے تو ان سے ڈرو اور میرا کہا مانو وہ کہنے لگے کیا ہم تیری بات مان لیں اور تیرے ساتھ والے تو ذالے ہیں۔ نوحؑ نے کہا میں کیا جانوں وہ کیا پیشہ کرتے ہیں، ان باتوں کا حساب میرا مالک ہی لے گا کاش تم کو اتنی سمجھ ہوتی اور یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ایمانداروں کو دھتکار دوں میں تو کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔

دیکھیے حضرت نوح کی قوم نے اپنے نبی کی اتباع کو محض اس لیے بُرا سمجھا کہ غریب اور نادار لوگوں نے ان کی اتباع اختیار کر لی ہے کیونکہ ان کا مطلع نظر دنیا ہی، ورنہ اگر ان کا مقصد آخرت ہوتی تو حق کو جہاں بھی پاتے اس کی اتباع اختیار کر لیتے لیکن جاہلیت کی وجہ سے انہوں نے خواہشات نفسانی کے تابع ہو کر حق سے اعراض کیا۔

اور ہر قل نے اپنی عقل و بصیرت کی بنا پر یہ سمجھا کہ پیغمبروں کے متبعین ہمیشہ کمزور لوگ ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس نے ابوسفیان سے منجملہ اور چیزوں کے یہ سوال بھی کیا، کہ کیا ان کے متبعین اشراف لوگ ہیں یا ضعفاء اور تم نے بتایا کہ ضعفاء ہیں اور یہی لوگ پیغمبروں کے مطیع ہوتے ہیں۔

اسی طرح سورۃ ہود میں فرمایا:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا
إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ
نَذِيرٌ مُّبِينٌ أَتَاكَ تَعْبُدُوا إِلَّا
اللَّهُ، إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ
عَذَابَ يَوْمٍ أَسِيءُ فَقَالَ
الْمَلَائِكَةُ الَّذِينَ كُنْتُمْ مِنْ
قَوْمِهِ مَا شَرَّكَ إِلَّا بَشَرًا
مِثْلُنَا وَمَا شَرَّكَ إِلَّا تَتَّبِعَكَ
إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا لَنَا
بِأَدْوَىٰ الرَّأْيِ وَمَا شَرَّكَ
لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَخْرٍ
بَلْ نَنظُرُكُمْ كَذِبِينَ -

اور بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا انہوں نے کہا میں تم کو صاف صاف دُرّانے والا ہوں اور میں کہتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تمہیں دردناک دن کا عذاب نہ ہو، تب اس کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے ہم دیکھتے ہیں کہ تو ہماری طرح کا ایک آدمی ہے اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ان لوگوں نے تمہاری پیروی کی ہے جو ہم میں رذالے ہیں وہ بھی اُپر کی عقل سے اور نہ تمہارے اندر ہمیں کوئی خوبی نظر آتی ہے بلکہ تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔

انصارِ حق کی عیب جوئی

خصائلِ جاہلیت میں سے ایک خصلت یہ بھی تھی کہ وہ حق کی اتباع کر نہ والوں پر عیب لگاتے اور کہتے کہ یہ لوگ مخلص نہیں ہیں۔ انہوں نے تو طلبِ دنیا کے لیے اطاعت اختیار کر رکھی ہے۔ چنانچہ سورۃ شعراء میں ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا :-

قَالُوا اَنْتُمْ مِّنْكُمْ لَكَ وَاتَّبَعَكَ
الَّذِينَ ذُكِرُوا، قَالَ وَمَا عَلَيَّ
بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ،
اِنْ حَسَابُكُمْ اِلَّا عَلَيَّ رَافِي
لَوْ تَشْعُرُونَ ،
انہوں نے کہا ہم آپ پر ایمان کیسے لا
سکتے ہیں جبکہ تمہارے متبعینِ رذالے ہیں
تو حضرت نوحؑ نے جواب دیا : میں کیا
جاؤں کہ وہ کیا عمل کر رہے ہیں ، ان کا
حساب میرے اللہ پر ہے کاش تم سمجھ
سے کام لیتے ۔

(۱۱۳، ۱۱۴)

اس طعن سے ان کا مقصد یہ تھا کہ کچھ قلاش لوگ تمہارے متبع بن گئے ہیں تاکہ
اس بہانے کچھ نہ کچھ ملتا رہے ورنہ ان کا ایمان لانا آپ کے سچا ہونے کی دلیل
نہیں ہے اس بنا پر حضرت نوح علیہ السلام نے ان کی تردید کی۔

(۱۳)

حق کی حمایت سے اس لیے تکبر کرنا کہ اس کے حامی شرفا نہیں ہیں

خصائلِ جاہلیت میں سے ایک خصلت یہ بھی ہے کہ حق کے دائرہ میں داخل
ہونے سے محض اس لیے اعراض کرنا کہ اس کے حامی کمزور اور ناتوان لوگ ہیں ۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ النعام میں ان کی تردید کرتے ہوئے پیغمبر علیہ السلام کو حکم دیا۔

وَمَا تَطْرُدُ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ، وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ (النعام ۵۲، ۵۳)

اور جو لوگ اپنے مالک کو صبح اور شام پکارتے ہیں اور اس کی رضا مندی کے طالب ہیں ان کو اپنے پاس سے مت نکال تجھ کو ان کا حساب دینا نہیں ہے اور نہ تیرا حساب ان کو دینا ہے۔ اگر آپ ان کو نکالیں گے تو ظالموں سے ہو جائیں گے۔ اور اسی طرح ہم نے ایک کو دوسرے سے آزمایا ہے اس لیے کہ یہ لوگ کہیں: کیا انہی لوگوں پر اللہ نے ہم میں سے جن کو احسان کیا ہے کیا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو اچھی طرح نہیں جانتا۔

اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا:-

عَبَسَ وَتَوَلَّى، أَنْ جَاءَهُ أُرْوَاهُ (عبس ۲۰۱)

اس نے تیور بد لے اور پھر گیا اس لیے کہ آپ کی خدمت میں ایک نایاب نیا آگیا۔ اہل جاہلیت کے اس خیال کی تردید کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ناتوان اور بیکس لوگ بے سوچے سمجھے نہیں بلکہ دلیل و برہان کی بنا پر ایمان لاتے ہیں اور آپ پر ان کی کوئی مسئولیت نہیں اور نہ ہی آپ کے متعلق وہ جواب دہ ہیں۔ لہذا باب ایمان سے انہیں دھتکار کر باہر نکال دینا سراسر ظلم ہے۔

دین اسلام کے باطل ہونے پر کفار کا استدلال

”اگر یہ دین برحق ہوتا تو ہم اُسے پہلے اختیار کر لیتے ہوتے“

کفار یہ بھی کہتے کہ اگر یہ دعوت برحق ہوتی تو ہم اُسے پہلے اختیار کر چکے ہوتے اور یہ لوگ کبھی ہم سے سبقت نہ کر سکتے۔ چنانچہ سورۃ الاحقاف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کا یہ مباحثہ مذکور ہے:

قُلْ اَرَايْتُمْ اِنْ كُنَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖمْ وَشَهِدْنَا شَٰهِدًا مِنْۢ بَنِيۤ اِسْرَٰئِيْلَ عَلٰی مِثْلِهِمْ فَاَمَنَ وَاَسْتَكْبَرْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوْۤا لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوْۤا اَنۡوَكَىٰٓ كَانَ خَيْرًا مِّنۡ سَبِقُوۡنَا اِلَيْهِ ط وَاِذۡ لَمۡ يَهْتَدُوْۤا بِهٖمْ فَسَيَقُولُوۡنَ هٰذَا اِفْكٌ قَدِيۡمٌ ۝ (لاحقاً ۱۱۰)

تم کمند و بھلا بتلاؤ تو سہی اگر یہ قرآن اللہ کے پاس سے آیا اور تم نے اس کو نہ مانا اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ ایسی ہی کتاب اترنے کی گواہی دے چکا اور وہ ایمان لے آیا لیکن تم اکڑے رہے بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اور کافر مسلمانوں سے کہتے اگر یہ دین اچھا ہوتا تو مسلمان ہم سے پہلے کبھی اس کو اختیار نہ کرتے اور جب قرآن سے اُن کو ہدایت نہ ہوئی تو اب کہیں گے یہ تو پُرانا جھوٹ ہے۔

کُفار کی جہالت اور قیاسِ فاسد سے استدلال

کُفار کی عادت تھی کہ وہ قیاسِ صحیح کو چھوڑ کر قیاسِ فاسد سے استدلال کرتے اور جامع اور فارق میں تمیز نہ کرتے۔ چنانچہ سورۃ مومنوں میں حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں اُن کی جہالت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَاءِنَا وَلَاؤَلِينَا إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ يَهْدِيكُمُ فَنَرْتَّبِعْهُ حَتَّىٰ حِينٍ

تو حضرت نوحؑ کی قوم کے سردار، جو کافر تھے کہنے لگے یہ ہے کیا تم جیسا ایک آدمی بس اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی طرح سے تمہارا بڑا بن جائے اگر واقعی اللہ تعالیٰ کو کوئی پیغمبر بھیجا ہوتا تو فرشتے اتارتا۔ ہم نے تو ایسی بات اگلے باپ دادوں میں نہیں سنی اور کچھ نہیں اسے جنون ہو گیا ہے تو ایک وقت تک اس کا انتظار کرو۔

(المومنون ۲۲-۲۵)

تشوہیح و تاویل :-

اس سے پہلے قرآن نے اللہ تعالیٰ کے انعامات بیان کیے اور اب آیت ”وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ“ سے انبیاء اور ان کی قوموں کے حالات بیان فرمائے کہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں اور دلائلِ توحید میں غور و فکر اور نظر و اعتبار کی بجائے اعراض سے کام لیا تو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا۔ اس میں قریش کے لیے تنوہیت ہے۔ اور اس سلسلہ میں حضرت نوحؑ کے قصہ کو مقدم لانے کی وجہ ظاہر ہے کہ وہ سب سے پہلے پیغمبر تھے جن کی قوم شرک اور ناشکر گزاری کے سبب عذاب سے دوچار ہوئی۔

چنانچہ حضرت نوحؑ نے اپنی دعوت کا آغاز توحید سے کیا اور اپنی قوم سے کہا۔

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ (۲۳)

کہ میری قوم! ایک اللہ کی عبادت کرو
مِنِ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ اور اس کے سوا کوئی تمہارا سچا معبود
نہیں ہے، کیا تم نہیں ڈرتے۔

اس آیت میں ”مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ“ جملہ مستأنفہ ہے اور پہلے مجملے کی علت بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ یعنی چونکہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے اس لیے اسی کی عبادت کرنا چاہیے اور ”أَفَلَا تَتَّقُونَ“ میں ہمزہ انکار اور واقعہ کی قباحت بیان کرنے کے لیے ہے اور فاعل مجملہ مخدوف پر عطف کے لیے ہے۔ یعنی جب تم یہ جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دہرا معبود نہیں ہے تو پھر اُس کے عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے، جو اللہ وحدہ کی عبادت ترک کرنے اور اس کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک بنانے کا لازمی نتیجہ ہے جو بذاتِ خود موجود نہیں ہو سکتیں چہ جائیکہ وہ عبادت کی مستحق ہوں، پس انکار کا تعلق عدمِ انتقار سے ہے باوجودیکہ اس کا موجب موجود ہے۔

علمائے تفسیر نے بیان کیا ہے کہ قوم کے سرداروں کو خاص طور پر کافر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کفر میں پیش پیش تھے۔ اس سے محض ان کی مذمت مقصود ہے نہ کہ دوسرے مسلمان سرداروں سے تمیز دینا ہے۔ یا اس سے مقصد یہ بتانا ہے کہ سرداروں میں سے کوئی شخص بھی ایمان نہیں لایا تھا۔ جیسا کہ آیت کریمہ ”مَا تَزَالُ اتَّبَعُكَ إِلَّا الذِّبَابُ هُمْ أَزْوَاجُ لَنَا“ سے معلوم ہوتا ہے۔

”مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ“ یعنی جنس و وصف کے اعتبار سے تمہارے اور اس کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ انہوں نے یہ بات پیغمبر علیہ السلام کی توہین اور منصبِ نبوت سے گرانے کی غرض سے کہی اور پھر اپنے مخاطبین کو غصہ اور دشمنی پر ابھارنے کے لیے انہوں نے کہا ”يُرِيدُ أَنْ يَمُوتَ فَتَكُونُوا كَالْأَنْفُسِ الَّتِي يُفَضِّلُ عَلَيْكُمْ“

تفضل کے معنی طلب فضیلت کے ہیں۔ اور یہ سیادت سے کنایہ ہے مطلب یہ ہے کہ یہ شخص رسالت کا دعویٰ کر کے تم پر فوقیت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ یہ تمہارے جیسا انسان ہے۔

”ذَلَّ النَّاسُ اللَّهُ لَا تَزَلْ مَلَائِكَةُ“ وہ اپنے زعمِ فاسد میں یہ سمجھے ہوئے تھے کہ نوح علیہ السلام جب بشر ہیں تو یہ رسول نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ بشریت رسالت کے منافی ہے، ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجا ہی تھا، تو فرشتوں سے کوئی رسول بنا کر بھیج دیتا اور فرشتوں کا بھیجنا چونکہ اوپر سے اتار کر ہی ہو سکتا ہے اس لیے انہوں نے ”لَا تَزَلْ“ کا لفظ استعمال کیا۔

”مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ“ یعنی یہ جو تم ایک اللہ کی عبادت کے لیے کہہ رہے ہو، اس قسم کی بات ہم نے اپنے آباء اجداد میں نہیں سنی مطلب یہ کہ تم غلط کہہ رہے ہو۔

”إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ يَهْجُو“ یعنی اس کو اور کچھ نہیں جنون ہو گیا ہے، یا جنون لگا ہوا ہے لہذا اسے برواشت کر دو اور کچھ نہ کہو شاید اس کا دماغ درست ہو جائے، یہ باتیں انتہائی مکابرہ اور عناد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ گویا اس سے قبل جو بشریت اور ارادۂ تفضل کا الزام دے رہے تھے اس سے اضطراب ہے۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ حضرت نوحؑ تمام لوگوں سے زیادہ عقلمند اور متوازن بات کر رہے ہیں۔ یہی ان کی فاسد باتوں میں تناقض کی دلیل تھی۔ اور قیاس فاسد اور صحیح اور جامع اور فارق کی بحث کتب اصول میں مفصل مذکور ہے۔

الغرض بشریت اور اس کے لوازم ضروریہ میں تو انبیاء بھی دوسرے لوگوں

سے اس موضوع پر سب سے بہتر سالہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کا ہے جو کہ ”القیاس فی الشریعہ اسلامیہ“ کے نام سے مطبعہ سلغیہ سے دومترہ شائع ہو چکا ہے۔

کے مشابہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الکہف اور قصص میں ہے :
 ”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ تم کہہ دو میں بھی تمہاری طرح ایک
 راکھت ۱۱۰، فصلت ۶)

مگر انبیاء علیہم السلام اور دوسرے لوگوں کے مابین متعدد وجوہ سے
 فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ ہوتے
 ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت و کلام اور وحی کے لیے چن لیا ہوتا ہے
 لہذا اس اعتبار سے کسی شخص کو بھی نبی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، جبکہ دوسرے
 خصائص میں انبیاء کے برابر کوئی شخص نہیں ہو سکتا ہے۔ اہل جاہلیت جو نیک قیاس صحیح
 اور فاسد کے مابین تمیز نہیں کرتے تھے اور نہ جامع اور فارق کو سمجھتے تھے اس لیے
 وہ انبیاء کو بھی دوسرے انسانوں پر قیاس کرتے۔ یہی حال آج کل ان کے
 ہم مسلک لوگوں کا ہے۔

(۱۶)

صالحین کی شان میں غلو

جاہلیت میں لوگ بزرگوں (علماء اور اولیاء) کے بارے میں غلو سے کام لیتے
 اور انہیں الوہیت کے مرتبہ تک پہنچا دیتے اور اس میں کتابی اور غیر کتابی سب
 مشرک شامل تھے۔ چنانچہ فرمایا :

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ
 وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ
 ذَٰلِكَ قَوْلُهُمْ يَأْتُوا هِمْ
 يُصَاهِرُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا
 مِنْ قَبْلُ قَاتِلْهُمْ اللَّهُ أَفْ

اور یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا
 ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ تعالیٰ کا
 بیٹا ہے یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ لگے
 اگے کافروں کی سی باتیں بنانے۔ اللہ تعالیٰ
 ان کو غارت کرے کہاں بہک گئے ہیں۔

يُؤْتِكُونِ، اِتَّخَذُواْ اٰخِيَارَهُمْ
 وَرَهْبَانَهُمْ اَزْبَابًا مِّنْ دُونِ
 اللّٰهِ وَالْمَسِيحِ ابْنِ مَرْيَمَ وَمَا
 اُمُّوْاْ اِلَّا رِجَالٌ مُّثَنِّوْنَ
 وَاحِدًا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهُ
 عَمَّا يُشْرِكُوْنَ، يَوْمَ يَدْعُوْنَ
 اَنْ يُّطْفِئُوْا نَارَهُمْ اَللّٰهُ
 يَاقُوْا هِمُّمٌ وَّيَٰٓاَيُّ
 اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يُتِمَّ
 نُوْرَهُمْ وَكَوْكَبُوْكَ الْكَافِرُوْنَ،

(التوبہ: ۳۱، ۳۲)

یا کیسے ہرکسے جاسے ہیں، ان لوگوں
 نے اپنے مولویوں اور درویشوں، علماء و
 مشائخ کو اور مسیح ابن مریم اللہ کے سوا خدا
 بنا لیا ہے حالانکہ ان کو اور کچھ نہیں ہی حکم ملا
 تھا کہ ایک خدا کی پرستش کریں اس کے
 سوا کوئی سچا معبود نہیں (سب جھوٹے
 معبود ہیں) وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک
 ہے وہ جانتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ
 سے (جھوٹی باتیں بنا کر) بجا دیں اور اللہ تو
 ماننے والا نہیں جب تک اپنے نور کو پورا نہ
 کرے گو کافر بنا نہیں۔

پس علماء اور مشائخ کو رب بنا لینا کہ وہ جیسے چاہیں اشیاء کو حلال اور حرام
 قرار دیں اور کائنات میں جس طرح چاہیں تصرف کریں اور دفع ضرر اور جلب
 منفعت کے لیے ان کو پکارنا جاہلیت میں یہود و نصاریٰ کی عادت بن چکی تھی
 پھر مذہباً یہی عادت جاہلی عرب میں سرائیت کر گئی اور فی زمانہ ساری دنیا میں
 ان کے متبعین پائے جاتے ہیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی
 ثابت ہو رہی ہے۔

لَتَتَّبِعَن سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَهُمْ
 (العنکبوت)

کہ تم اپنے پیش رو، یہود و نصاریٰ کے
 طریق پر چلو گے۔

چنانچہ فی زمانہ نام و نگار دیکھ رہے ہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے دین سے
 اعراض کر کے بدعات و ضلالت کی داویوں میں سرگرداں پھر رہے ہیں کتاب
 سنت اور ان پر عمل کرنے والوں کے دشمن بنے ہوئے ہیں اور ان سے دین
 محمدی داویا کر رہا ہے اور اسلام بلا عظیم میں مبتلا ہے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

اتباع وحی سے معذرت

ان کی عادت تھی کہ وحی کی اتباع سے یہ کہہ کر معذرت کر دیتے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ چنانچہ سورۃ بقرہ میں ان کی اس قسم کی حرکتوں کو بیان کرتے ہوئے فرمایا :-

اور البتہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے بعد ہم نے مسلسل پیغمبر بھیجے اور عیسیٰ ابن مریم کو کھلی نشانیاں دیں۔ اور اس کو روح القدس سے مدد دی کیا پھر ہر بار جب کوئی نیا پیغمبر نیا حکم لے کر آیا جس کو تمہارا جمی نہ چاہتا تھا۔ تو تم نے اگر فون کی پھر بعضوں کو بھڑایا بعضوں کو قتل کرنے کے درپے ہوئے اور کہتے ہیں ہمارے دلوں پر عذاب چڑھا ہوا ہے نہیں یہ بات نہیں بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کر دی ہے۔ تو بہت کم ان میں ایمان لاتے ہیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَتَفَيَّضْنَا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ رُوحَ الْقُدُسِ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَا لَهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ أَنْ يَكْلِمَ الْجَاكِلَ رُسُلَهُ بِمَا كَانُوا يَفْهَمُونَ أَسْتَكْبَرْتُمْ فَقَرْيَبًا كَذَبْتُمْ وَفَرَّقْتُمْ بَيْنَهُمْ وَقَاتَلُوا قُلُوبَهُمْ غُلْفًا بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ

د البقرہ ۸۷، ۸۸

اور سورۃ نسا میں فرمایا :-

فَمَا تَعْلَمُهُمْ مِنْ شَأْنِهِمْ كُفْرُهُمْ يَا أَيُّهَا اللَّهُ وَتَعْلَمُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ

تو ان کے اپنا اقرار توڑ ڈالنے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنے پیغمبروں کو ناحق

بَغِيرِ حَقٍّ وَ قَوْلُهُمْ قَتَلْ كَرْنِے اور اس قول کی وجہ سے کہ
 قُلُوْ بُنَا غُلْفٌ ، بَلْ طَبَعَ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے
 اللہ عَلَیْهَا بِكُفْرِهِمْ میں (ہم نے ان پر لعنت کر دی) بلکہ اللہ
 فَلَا يُؤْمِنُونَ کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں
 قَلْبًا پر مہر کر دی ہے اور وہ نہ ایمان لاویں
 گے مگر تھوڑے۔ (النساء ۱۵۵)

آیت کریمہ میں غلفت ، اغلفت کی جمع ہے اور اغلفت اس کو کہتے ہیں جو
 سمجھ بوجھ سے خالی ہو۔ دراصل اس کے معنی ذوالغلفۃ یعنی ”بے خستہ“ کے ہیں۔
 اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ غِلْف کی جمع ہو۔

پہلی صورت میں اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہمارے قلوب خلقی پردوں میں ہیں
 جن کی وجہ سے تمہاری کوئی بات ہمارے دلوں میں اثر نہیں پاتی۔ جیسا کہ
 سورۃ فصّلت میں ہے۔

قُلُوْ بُنَا فِیْ اَكْثَرِهٖ مِّنَّا تَدَاعَوْنَاۤ اِلَیْهِ۔ (فصلت ۵)
 ہمارے دل پردہ میں ہیں۔

اس سے ان کا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود اس کرنا تھا کہ ہم آپ
 کی دعوت کو کسی صورت بھی قبول نہیں کر سکتے۔

بعض نے غلفت کے یہ معنی کیے ہیں کہ ہمارے دل توراۃ کے علوم و حکمت سے
 پر ہیں اس بنا پر تمہاری باتیں ہم پر اثر نہیں کر سکتیں یا اس کے یہ معنی ہیں کہ
 ہمارے دل فطرۃ سلامت ہیں۔

دوسری صورت میں غلو کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے دل علم کے دُعا میں اگر
 تمہاری باتوں میں کچھ بھی صداقت ہوتی تو ضرور انہیں محفوظ کر لیتے یا اس کے معنی
 یہ ہیں کہ ہمارے دل علم سے پر ہیں۔ اب ان میں مزید کسی چیز کی گنجائش نہیں،
 ہے۔ یعنی ہمیں اپنے علوم کی وجہ سے تمہاری علمی باتوں کی ضرورت نہیں ہے۔

بعض علمائے تفسیر نے یہ بھی کہا ہے کہ ہمارے دل علم و حکمت کے خزانے ہیں پھر ہم ایک اُچی بنی کے کیسے تاج ہو سکتے ہیں لیکن یہ تاویل کچھ بعید سی ہے۔ اور یہی جواب حضرت شعیبؑ کی قوم نے دیا۔ جیسا کہ سورۃ ہود میں ہے۔

يَا قَوْمِ لَا يَجْبِرُكُمْ شِقَاقِي
 اَنْ يُصِيبَكُمْ مَا اَصَابَ قَوْمَ
 نُوحٍ اَوْ قَوْمَ هُودٍ اَوْ قَوْمَ
 صَالِحٍ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِنْكُمْ
 بِبَعِيدٍ ۚ وَاسْتَغْفِرُوا
 رَبَّكُمْ ثُمَّ تَوْبُوا
 اِلَيْهِ ۚ اِنَّ رَبِّي مَرْحِيمٌ
 ذُووْذُوۡا يَا شُعَيْبُ
 مَا نَفَعُهُ كَثِيْرًا مِّمَّا
 تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرَاكَ
 فِينَا ضَعِيْفًا وَّكَوْنًا لَّهُكَ
 لَسَرَجْمَتَاكَ وَمَا اَنْتَ
 عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ

اور اے میری قوم! کہیں میرے ساتھ ضد کرنا تم کو اس آفت میں نہ ڈال دے جو آفت کہ قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر پڑی اور قوم لوط بھی تم سے کچھ دور نہیں ہے (یعنی کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا) اللہ سے بخشش مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو ورنہ شک میرا پروردگار مہربان محبت کرنے والا ہے انہوں نے جواب دیا اے شعیب جو تو کہتا ہے اس میں سے بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تمہیں اپنی قوم میں کمزور سمجھتے ہیں۔ اور جو تیرے کہنے کے لوگ نہ ہوتے تو ہم تمہیں رحم کر چکے ہوتے اور تو ہمارے سامنے کوئی چیز نہیں۔

(ہود : ۸۹ : ۹۱)

یہ آیت بھی اوپر والی آیت کے ہم معنی ہے اور اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں ان کے اس خیال کی تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ عدم فہم کی وجہ ان کا اپنا علم نہیں ہے بلکہ ان کے کفر کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے۔ ورنہ تمہارے بیان و تفہیم میں کچھ قصور نہیں ہے۔ شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

والنجم تستصغرا لہذا ہمارے تصور میں

”اور ستارے کی شکل و صورت کو نگاہیں چھوٹا دیکھتی ہیں یہ تو نظر کا قصور ہے نہ کہ ستارہ و حقیقت چھوٹا ہے۔“

(۱۸)

حق کا اس لیے انکار کرنا کہ ہمارا گروہ یہ نہیں کہتا

جاہلی خصائل میں یہ خصلت بھی قرآن نے بیان کی ہے کہ وہ صرف اسی بات کو قبول کرتے جو ان کے علماء کہتے۔ چنانچہ اہل کتاب کی روش پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا
أُنْزِلَ اللَّهُ فَاسْتَوْا نُؤْمِنُ
بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ
بِمَا دَنَا وَهَكَذَا هُوَ
الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا
مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ
تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ
قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ
(البقرة ۹۱)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اتارا اس پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں ہم تو اسی پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر اترا اور اس کے سوا یا اس کے بعد جو اترا اس کو نہیں مانتے۔ حالانکہ وہ (قرآن) برحق ہے ان کی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ ان سے کہہ دو اگر تم تورات پر ایمان رکھتے ہو تو پھر کیوں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو قتل کیا۔

ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم تورات یا اس کی توفیق کتاب کے سوا کسی کو نہیں مانتے۔ جو ہم پر نازل کیا گیا اس میں ”ہم“ کی ضمیر سے یا تو انبیاء بنی اسرائیل ہیں اور یہی ظاہر ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ ان کا قرآن پر ایمان نہ لانا محض حسد اور بغض کی وجہ تھا کہ وہ ایسے شخص پر کیوں نازل کیا گیا جو ان سے نہیں ہے۔ اور یا ”علینا“ میں ”نا“ ضمیر سے وہ خود مراد ہیں اور ان پر

اتارے جانے کا مطلب ان کو احکام کا مکلف بنانا ہے اور اس میں انکی مذمت کی گئی ہے۔ کیونکہ وہ یہ کہہ کر قرآن کی شان میں گستاخی کر رہے ہیں اور یہود کی دسیسہ کاریاں مشہور ہیں۔

اور یا ان کی مذمت اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ایک عام اور مطلق حکم کی خاص تاویل کی کہ جو کچھ ہم پر نازل ہوا ہے ہم اس پر ایمان لائے کے مکلف ہیں جیسا کہ غلط تاویلات کرنے کے وہ عادی تھے۔ حالانکہ وہ قرآن کی صداقت کو سمجھتے اور بات کا اقرار کرتے تھے کہ قرآن پہلی کتابوں کا مصدق ہے۔ کیونکہ کتب سماویہ ایک دوسری کی تصدیق کرتی ہیں۔ لہذا تمہارا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ”ہم صرف اسی پر ایمان لائیں گے جو ہم پر نازل ہوا۔“ کیونکہ جو کتاب توراۃ کی مصدق کتاب کو نہیں مانتا وہ تورات کو بھی نہیں مانتا۔ اس کے بعد ان پر الزام قائم کیا ہے کہ تمہارا یہ دعویٰ کہ تم صرف توراۃ کو مانتے ہو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اگر تم توراۃ کو مانتے مانتے تو اللہ کے نبیوں کو قتل نہ کرتے۔ جن کے قتل سے توراۃ میں منع کیا گیا تھا۔

(۱۹)

جادو کے خرافات کی اتباع کرنا

یہود میں ایک عادت قبیحہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا اور کتب سحر کے پیچھے لگ گئے۔ چنانچہ سورۃ یقرہ میں ہے:-

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ صَبُّوا مِنَّا حَرِيقٌ مِّنَ السَّيِّئَاتِ

اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس ایک رسول آیا اس کتاب کو پس پیچھتا ہوا جو ان کے پاس ہے، تو

اَوْ تَوَالِ الْكِتَابِ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ
 ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ
 وَاتَّبِعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ
 عَلَىٰ مُلْكِكُمْ سُبْحَانَ وَ مَا كُنَّا
 سُلَيْمًا وَ الْكِنَ الشَّيَاطِينُ
 كَفَرُوا يَعْلَمُونَ النَّاسُ الْمُبْصِرُونَ
 وَ مَا أُتْرِلَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ
 بِبَابِلَ هَامُوتَ وَ مَا دُونَ
 وَ مَا يَعْلَمُونَ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى
 يَقُولَ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا
 تَكْفُرْ يَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا
 مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ
 الْمُرءِ وَ نَرُوجِهِمْ وَ مَا
 هُمْ بِمُفَارِّقِينَ بِهِ مِنْ
 أَحَدٍ إِلَّا يَأْذِنُ اللَّهُ وَ
 يَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ
 وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ لَقَدْ
 عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ
 مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ
 خَلَاقٍ ، وَ لَيْسَ مَا شَرَوْا
 بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا
 يَعْلَمُونَ ،

اہل کتاب کے ایک گروہ نے اللہ کی
 کتاب کو پس پشت ڈال دیا جیسے ان کو
 خبر ہی نہ تھی اور سیماں کی بادشاہت
 میں شیطان جو بڑھا کرتے تھے اس کی
 پیروی کرنے لگے۔ حالانکہ سیماں کا فر
 نہ تھے البتہ یہ شیطان کا فر تھے جو لوگوں
 کو جاود سکھاتے تھے اور وہ باتیں جو
 شہر بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت
 پر اتاری گئی تھیں اور وہ دونوں کسی کو
 (جادو) نہ سکھاتے تھے جب تک یہ
 نہیں کہہ لیتے کہ ہم (خدا کی طرف سے)
 آزمائش ہیں پس لو کہ نہ کر اس پر بھی
 وہ ان سے ایسی باتیں سیکھنے جن کی وجہ
 سے خاوند پیوی میں جدائی کرادیں۔ حالانکہ
 بے حکم خدا کے وہ جادو سے کسی کا کچھ
 نہیں بگاڑ سکتے اور ایسی باتیں سیکھتے ہیں
 جن میں فائدہ کچھ نہیں نقصان ہی نقصان
 ہے۔ البتہ یہودیوں کو یہ معلوم ہے کہ جو
 کوئی جادو خریدے وہ آخرت میں بے نصیب
 سے بے شک اگر وہ سمجھتے ہوتے تو بُرا
 بدلہ ہے جس کے عوض انہوں نے اپنی جانوں
 کو بیچ ڈالا ہے۔

اس کی تشریح کتب تفاسیر میں مشہور ہے اور یہ جاہلی خصلت آج بھی اکثر لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ خصوصاً جو صاحبین کی طرف منسوب ہیں حالانکہ وہ ان سے کوسوں دور ہیں وہ جاؤ و ٹوٹنے کرتے رہتے ہیں مثلاً سانپ کو پکڑ لینا، اپنے جسم پر کوئی ہتھیار مارنا، جلتی آگ میں چھلانگ لگانا وغیرہ جن کے ابطال کے لیے شریعت آئی ہے لیکن انہوں نے اعراض کر کے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور شیاطین کے ایجاد کردہ جاؤ و ٹوٹوں کے پیچھے چل رہے ہیں اور اس کو کرامت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ کسی فاسق فاجر سے کرامات کا صدور نہیں ہو سکتا۔ اور ایسے کام کرنے والوں کا فسق ظاہر ہے اس بنا پر انہوں نے دین کو مہو و لعب بنا رکھا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن نے کہا ہے:-

الَّذِينَ مَنَّاَ سَعْيَهُمْ فِي الْحَيَاةِ
الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ
صُنْعًا - (الکہف ۱۰۴)

یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں اُکارت ہوئی اور وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔

(۲۰)

نسبت میں تناقض

ان کے انتساب میں تناقض تھا۔ کبھی تو اپنی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے اور کبھی مسلمان بنتے حالانکہ بر ملا طور پر اس کو چھوڑ دیتے اور کسی دوسرے دین کی طرف اپنی نسبت کر لیتے۔

نصوص میں تحریف

وہ کلام اللہ کو سمجھنے کے بعد جان بوجھ کر اس میں تحریف کرتے اس دور میں بھی لوگ ان کے طریق پر چلنے والے موجود ہیں جو نصوص کو ان کے مدلولات سے پھیر رہے ہیں اور اپنی خواہشات کے مطابق ان کی تاویل کر رہے ہیں۔

کتبِ دینیہ میں تحریف

ان کے علماء کتبِ دینیہ میں تحریف کرتے قرآن میں ہے:-

وَمَنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ
الْكِتَابَ إِلَّا أَمَافِي وَاتِّ
هُمْ إِلَّا يَطْتَوْنَ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ
يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ
يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ
لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ
لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ
وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا
يَكْسِبُونَ. (البقرة ۷۸-۷۹)

اور ان میں سے بعض ان پڑھ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نہیں جانتے۔ مگر آرزو میں اور گمان ہی گمان رکھتے ہیں تو خرابی ہے ان کے لیے جو ایک کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ اس کو بیچ کر فقورامول کمائیں۔ ہائے خرابی ان کی اس لکھائی پر، وائے خرابی ان کی اس کمائی پر۔

اور اگر اس دور کے قضاة اور ان کے احکام میں تلاعب کو دیکھتے کہ وہ کس طرح نصوص کو اپنی خواہش کے مطابق تبدیل کر رہے ہیں اور رشوت لے کر حق و باطل

کو خط ملط کر رہے ہیں تو آپ پر عیاں ہو جائے گا کہ یہ وہ سمندر ہے جس کا ساحل نہیں۔ یہی حال مبتدع اور غالی قیرو پرستوں کا ہے جس کی تفصیل دوسری جگہ بیان ہو چکی ہے۔

(۲۳)

ہدایت دین سے پہلو تہی کر کے اس کے خلاف کو اختیار کرنا

ان میں سب سے عجیب تر خصالت یہ تھی کہ جس دین کی طرف وہ اپنی نسبت کرتے اس سے دشمنی برتتے اور مذہب کفار کے ساتھ پوری موالات کرتے جیسا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا۔ چنانچہ جب آپ نے ان کے سامنے موسیٰ کا دین پیش کیا تو وہ کتب سحر کی اتباع کرنے لگے جو کہ آل فرعون کا دین تھا۔ ایسے لوگ آج ملت اسلامیہ میں بھی موجود ہیں جنہوں نے سنت نبوی کو ترک کر کے اس سے عداوت اختیار کر رکھی ہے۔ اور فلاسفہ کے اقوال و احکام کی حمایت و نصرت میں لگے ہوئے ہیں۔

(۲۴)

دوسروں کے پاس جو حق ہو اس کا انکار کرنا

جب یہود و نصاریٰ میں افتراق پیدا ہو گیا تو ہر گروہ اپنی ہی بات کو حق سمجھتا اور دوسروں کے پاس جو حق ہوتا اس کے ساتھ کفر کرتا۔ چنانچہ سورۃ بقرہ میں ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ كُنتُمْ نَصَارَىٰ كَذِبًا ۚ
اور یہود کہتے تھے نصاریٰ کا دین کچھ نہیں اور نصاریٰ کہتے یہود کا دین کچھ نہیں۔ حالانکہ

إِلَهُودَ عَلَى شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ أَلَمْ تَكُنْ
كَذَلِكَ قَالِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مَثَلِ تُولِيهِمْ
فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَيَا كَا نُؤَا
فِيهِ يَخْتَلِفُونَ (البقرہ ۱۱۳)

دونوں فرقے اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں۔
جابل لوگ ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں۔
تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کا اختیار
چکا دے گا۔

بلاشبہ یہ خصلت جاہلی سے اور فی زمانہ بھی بہت سے لوگ بیروہ
اختیار کیے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں خصوصاً اصحابِ مہاب
(مقلدین) کہ ہر مذہب والے یہ سمجھتے ہیں کہ وہی دین کے ٹھیکیدار ہیں ، اور
دوسرے باطل پر ہیں وَكُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ۔ کسی نے کہا ہے ۷

وَكُلٌّ يَدْعُو عَلَى وَصْلِ لَيْلَى

وَلَيْلَى لَا تَقْرَ لَهُمْ بِذَاكَ

کہ ہر ایک لیلٰی سے وصال کا دعویدار ہے لیکن لیلٰی ان کے لیے اس
کا اقرار نہیں کرتی۔

احتیاط اس میں ہے کہ دلیل کو دیکھا جائے جس پر دلیل قائم ہو وہی حق ہے
اور اس لائق ہے کہ اُسے قبول کر لیا جائے۔ لیکن جس پر کوئی دلیل و برہان نہ ہو
اُسے پس پشت پھینک دیا جائے۔ پیغمبر کے سوا کسی کو بھی یہ مرتبہ حاصل نہیں
کہ اس کی ہر بات قبول کر لی جائے۔ (امام مالک رحمہ اللہ آنحضرت کی قبر کی طرف
اشارہ کر کے فرمایا کرتے)

ر كل احد يؤخذ من قوله
ويؤد اتمًا صاحب هذا
القبر)

کہ ہر ایک کا قول قبول کیا جاسکتا ہے اور
رد بھی ہو سکتا ہے ماسوا اس قبر والے کے
کہ ان کا قول رد نہیں کیا جاسکتا۔

ہر گروہ ادعا کرتا کہ حق اس میں محصور ہے

جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث فرق میں سنا کہ آپ فرما رہے ہیں:

وَسَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي إِلَى ثَلَاثٍ كَرْمِيرِي أُمَّتٍ تَلْتَمِشُ فِرْقَتَيْنِ فِي تَقْسِيمِ هَوِ
وَسَبْعِينَ فِرْقَةً كُلُّهَا فِي النَّارِ جَاتِي كِي جَنِّ مِثْلِ سَبْعِينَ فِرْقَةٍ سَوَابِ
الْأَوَّلِ وَاحِدَةً - دوزخی ہوں گے۔

تو ہر گروہ نے دعویٰ کیا کہ وہی فرقہ ناجیہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے متعلق حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتْ النَّصَارَى عَلَى شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَى لَيْسَتْ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ
اور یہود کہتے نصاریٰ کسی دین پر نہیں ہیں،
اور نصاریٰ کہتے یہود کسی دین پر نہیں ہیں
عَلَى شَيْءٍ (البقرہ ۱۱۳)

حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حدیث کے آخر میں فرقہ ناجیہ کی تعیین کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَهُمْ مِنْ كَانِ عَلَى مِثْلِ مَا كُنْتُ اَنَا عَلَيْهِ وَاصْحَابِي
یعنی فرقہ ناجیہ وہ ہے جو اس جیسے راستہ پر چلے جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے قول کی حکایت کر کے دونوں کی تردید کی۔ چنانچہ فرمایا:

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِذَا
اور یہود کہتے ہیں یہود کے سوا اور
مَنْ كَانَ هُودًا اَوْ نَصَارَى
نصاریٰ کہتے ہیں نصاریٰ کے سوا کوئی
تِلْكَ اَمْا يَتِمُّمْ قُلْ هَاتُوا
جنت میں نہیں جائے گا یہ ان کی من مانی

بُرْهَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ
 يٰلَيَّ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَ
 هُوَ مُخْلِصٌ لَهُ اٰخِرَتَا عِلَدٍ
 رَبِّهِمْ وَكَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
 وَكَاهُمْ يَحْزَنُونَ
 (البقرہ ۱۱۲، ۱۱۳)

آرزو میں ہیں (اے پیغمبر) کہ دو اگر سچے
 ہو تو سند لاؤ۔ بات یہ ہے کہ جس نے اپنا
 منہ خدا کے سامنے جھکا دیا اور وہ نیک
 بھی ہے۔ اس کو اپنے مالک کے پاس
 اپنا ثواب ملے گا اور آخرت میں ایسے
 لوگوں کو نہ ڈر ہو گا نہ غم۔

مقصود یہ کہ ان کے پاس اس دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ دلائل اس کے خلاف
 ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے حدیث فرق پر منہاج السنۃ میں نہایت تفصیل
 سے بحث کی ہے۔ جس پر مزید بحث کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ ابن حلی رافضی نے
 اپنے مذہب کی حقانیت اور اہل سنت کے مذہب کے بطلان پر اس حدیث
 سے استدلال کیا ہے۔ لہذا تفصیل کے لیے اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۲۶)

اقرار کے بعد انکار

یہود بعض چیزوں کے دین ہونے کا اقرار تو کر لیتے لیکن بائیں ہمہ اُن کا انکار
 کر دیتے۔ چنانچہ باوجودیکہ وہ ملتِ ابراہیمی کے دعوے دار تھے، حج بیت اللہ
 کے انکار اور اس سے برأت کو دین سمجھتے تھے۔ چنانچہ سورۃ بقرہ میں آیت دَاۤءِ
 جَعَلْنَا الْبَيْتَ الْاَلْحَقَّ مِنْ بَيْتِ الْاَشْدٰى تَارِيْخِيْ اہمیت کا ذکر اور حج کو ملتِ ابراہیمی
 کے شعار کی حیثیت سے ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ
 الْاَلَا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدْ
 اصْطَفَيْنَا فِي الدُّنْيَا وَاٰلَتِهٖ

اور ابراہیم کے طریق سے وہی نفرت
 کرے گا جو احمق ہو گا اور ہم نے اس کو
 دنیا میں چن لیا اور آخرت میں وہ صالحین

فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ
 إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ
 أَسْلَمْتُ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ، وَ
 دَخَلْنَا بِهَا إِبْرَاهِيمَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ
 يَا بَنِيَّ إِنِّي أَخَافُ لَكُمْ
 السَّيِّئِينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ
 مُسْلِمُونَ ،

سے ہو گا۔ جب پروردگار نے اس سے
 فرمایا اسلام پر مضبوط ہو جا تو کہنے لگا میں
 اللہ کا تابع دار بن گیا جو سارے جہان کا
 مالک ہے اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں اور
 یعقوب نے بھی اپنے بیٹوں کو وصیت
 کی کہ بنیا تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے
 یہ دین چن لیا ہے ، تو مرتے وقت مسلمان
 ہی رہ کر مرنا۔ (البقرہ ۱۳۰، ۱۳۲)

ان آیات کے سبب نزول میں مروی ہے کہ عبداللہ بن سلام نے اپنے پیچوں
 سلمہ اور مہاجر کو اسلام کی طرف دعوت دی اور کہا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ
 نے توراۃ میں خبر دی ہے کہ میں اسماعیل کی پشت سے ایک نبی مبعوث کرنے
 والا ہوں جن کا نام احمد ہو گا جو اس پر ایمان لائے گا وہ رشد و ہدایت پر ہو گا۔
 اور جو ایمان نہیں لائے گا وہ ملعون ٹھہرے گا۔ چنانچہ سلمہ تو مسلمان ہو گیا ، مگر
 مہاجر نے انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲۷)

کھلم کھلا برہنہ ہو کر پھرتا

مشرکین خاص موقعوں پر برہنہ ہو کر پھرتے اور پھر اس برہنگی پر اصرار کرتے
 قرآن نے ان کے افعال قبیحہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا :-

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا
 وَحَدَّثْنَا عَلَيْهَا يُبَاءُ نَا ، وَاللَّهُ أَمَرَنَا
 بِهَا قُلْ إِنَّا لَنُحِبُّ الْمَأْثَرَةَ الْفَاحِشَةَ

اور یہ مشرکین کوئی بُرا کام (یعنی شرک یا
 ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف) کرتے ہیں
 تو کہتے ہیں ہم نے اپنے بڑوں کو ایسا

اَتَقُوْنُوْنَ عَلَىٰ اِلٰهِ مَا كَانَتْ
تَعْلَمُوْنَ، قُلْ اَمَرَ رَبِّي
بِالنِّسْطِ وَارْتَبِعُوا وُجُوْهَكُمْ
عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ، وَادْعُوْهُ
مُعِيْمِيْنَ لَهُ السَّبِيْح
لَمَّا بَدَا لَكُمْ
تَعُوْدُوْنَ،

(الاعراف ۲۸، ۲۹)

کرتے پایا اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کا
حکم دیا۔ آپ کہیں کہ اللہ تعالیٰ بُرے
کام کا حکم نہیں کرتا کیا جو بات تمہیں
معلوم نہیں اللہ پر اسے لگاتے ہو آپ
کہیں میرے مالک نے تو انصاف کا
حکم دیا ہے اور یہ کہ جہاں نماز پڑھو اپنا
منہ سیدھا بیت اللہ کی طرف کر لو اور
خالص اُسی کے تابع رہو کہ اس کو بیکار و
جیسے تم کو پہلے پیدا کیا ویسے ہی تم دوبارہ
ہو جاؤ گے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں پر فاحِشۃ سے قبیح فعل مراد ہے جو
قبیح میں انتہا کو پہنچا ہوا ہو اور اس میں ”تا“ یا تو تائید کے لیے ہے ”اِنِّیْ فَعَلْتُ
قَبِيْحَةً“ اور یا وصف سے اسم کی طرف نقل کے لیے ہے اور یہاں پر فاحِشۃ
سے بتوں کی پرستش اور ننگا ہو کر طواف وغیرہ کرنا مراد ہے۔ قرآن نے خاص طور
پر کشف عورت یعنی ننگا ہونا مراد لیا ہے۔ آیت میں جواب اِذَا مَعْدُوْفٌ ہے
یعنی اِذَا فَعَلُوْا فَاَحِشْتُمْ فَعَمَلُوْا عَقِبًا قَالُوْا اِنَّا یَعْنِیْ جِبْ بے حیائی کے
کام کا ارتکاب کرتے ہیں پھر اس سے ان کو منع کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں
یہاں پر انہوں نے اپنی بے حیائی پر قائم رہنے کے دُعا پیش کیے ایک
تعلیل آہام یعنی ہم نے اپنے بڑوں کو ایسا کرتے دیکھا ہے اور دوسرا فقرہ علی اللہ
یعنی اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔

قریش (مسن) کی عادت تھی کہ وہ ایام حج میں عرفات میں نہ جاتے بلکہ
مزدلفہ میں وقوف کرتے اور ان ایام میں وہ اوجھ اور پینیر نہ کھاتے نہ بکری اور
گائے باندھتے اور نہ پیٹھ اور اونٹ کے بالوں کا سُوت بناتے اور نہ ایسے گھر

میں داخل ہوتے جو بالوں یا مٹی سے بنا ہوا ہو۔ وہ اشہر حرم میں صرف سُرخ خیموں کے نیچے بسر کرتے۔ پھر انہوں نے تمام عرب پر فرض کر رکھا تھا کہ حرم میں داخل ہونے کے ساتھ محل کے تمام گوشے پھینک دیں اور کھانے کی کوئی چیز ساتھ نہ لائیں حتیٰ کہ حل کے تمام کپڑے بھی اتار دیں اور ان کی بجائے حرم کے کپڑے پہن کر آئیں خواہ یہ کپڑے خرید کر پہنیں یا عاریتاً اور مہرہ کی صورت میں حاصل کریں۔ اگر یہ کپڑے مل جائیں تو فہما ور نہ ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کریں اور عورتوں پر بھی ننگے ہو کر طواف کرنا فرض کر رکھا تھا۔ تاہم عورتیں اپنے فرج کے اگلے حصہ پر کوئی کپڑا ڈال لیتیں۔ چنانچہ ایک عورت طواف کی حالت میں کہہ رہی ہے۔

اليوم يبدو بحضه اذكله فَمَا يَدَامُنْهُ فَلَاحِلْهُ

اختم مثل القعب باذلمہ

كَأَنَّ حَتَّى خَيْبَر تَمْلُ

وہ دوسرے عرب کو مجبور کرتے کہ عرفہ میں وقوف کے بعد لوٹ کر آئیں اور خود مزدلفہ سے لوٹ آتے۔

الغرض اس قسم کی چیزیں اللہ کے حکم کے بغیر ہی انہوں نے ایجاد کر رکھی تھیں اور ان کو شریعت بنا رکھا تھا۔ بایں ہمہ وہ مدعی تھے کہ وہ اپنے باپ ابراہیم کے دین پر قائم ہیں۔ مگر یہ سب جاہلیت کے رسوم و بدعات تھے۔

فی زمانہ بھی دین اسلام کی طرف منتسب لوگوں کی اکثریت ایسی ہے جنہوں نے دین میں بدعات کو ایجاد کر رکھا ہے۔ چنانچہ بعض لوگ آلات موسیقی اور لہو یعنی غنا کے ساتھ شغل کو عبادت سمجھتے ہیں اور وہ بھی مساجد اور بیوت اللہ میں اور بعض بیت اللہ کی بجائے۔ قبروں کے طواف، ان کی زیارت کے لیے سفر اور مزد و نیاز کو اعلیٰ ترین عبادت اور قرب الہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور بعض نے رہبانیت اور شیطانی حیلے ایجاد کر رکھے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم زہد و عباد کے طریق پر گامزن ہیں۔ ان کا اصل مقصد حیوانی شہوات کو پورا کرنا اور

دنیا دنی کو حاصل کرتا ہے اور پھر یہ نہیں سوچتے کہ اللہ کے سامنے کیا جواب دیں گے۔

إِلَىٰ دِيَانٍ يَوْمَ الدِّينِ نَمُضَىٰ

وَعِنْدَ اللَّهِ تَجْتَمِعُ الْخُصُوفُ

روزِ جزا کو ہم بدلہ دینے والے کے سامنے جائیں گے اور اللہ کے پاس تمام فریق جمع ہوں گے۔

(۲۸)

حلال چیز کو حرام کرنا عبادت ہے

مشرکین حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے اور اس کو بڑی عبادت سمجھتے۔

چنانچہ سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کی اور فرمایا:

يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ

اے آدم کی اولاد ہر مسجد میں جاتے وقت اپنا بناؤ کر لیا کرو اور کھاؤ اور پیتاؤ اور اڑاؤ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اڑانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اے پیغمبران سے پوچھو اللہ تعالیٰ نے جو زیب و زینت کی چیزیں اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں اور کھانے پینے کی لذیذ اور پاکیزہ چیزیں ان کو کس نے حرام کیا ہے کہہ دے یہ چیزیں دنیا میں تو مومنوں کے لیے ہیں اور کافروں کے لیے بھی، اور قیامت کے دن حلال چیزیں مومنوں کے لیے ہی ہوں گی ہم اسی طرح

إِنَّمَا حَرَّمَ ذَرْبُ الْفَوَاحِشِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِشْمُ وَالْإِنْتَعِي بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِنْ نَشَرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنْزَلْ بِهِ سُلْطَانًا فَإِنْ تَقُونُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْمُونَ (۳۳۱، ۳۳۲)

جاننے والوں کے لیے کھول کر آیتیں بیان کرتے ہیں تم کہدو کہ میرے رب نے تو صرف بُرے کاموں کو حرام کیا ہے کھلم کھلا ہوں یا چھپا کر اور گناہ کو اور ناحق سنانے کو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے کو جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور ہر وہ بات لگانے کو جو تم کو معلوم نہیں۔

یعنی تم عبادت اور طواف کے وقت اپنے ستر چھپا لیا کرو۔ ان آیات کے سبب نزول میں مذکور ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگ شکے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتے تھے حتیٰ کہ عورت برہنہ ہو کر طواف کرتی اور اپنے زیریں حصّہ پر تسمے باندھ لیتی جیسا کہ گدھوں کے چہروں پر لکھی وغیرہ سے بچاؤ کے لیے باندھ دیتے ہیں۔ اور پھر یہ شعر پڑھتی۔

اليوم يبيدو بعضه او كله

وما بدا منه فلا احله

آج کچھ یا سارا ظاہر ہوگا۔ اور جو اس سے ظاہر ہوگا اُسے دیکھنا حلال نہیں ہے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی (وَلَا تُشْرِكُوا)۔ کی تفسیر میں کلبی بیان کرتے ہیں کہ اہل جاہلیت صرف زندہ رہنے کے لیے کچھ کھا لیتے اور ایام حج میں چربی نہیں کھاتے تھے اور حج کے دنوں میں اُسے کھانا برا سمجھتے اس پر مسلمانوں نے کہا اللہ کے رسول! ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس بنا پر ستر پلویشی کے ساتھ کھانے پینے کا ذکر بھی آگیا ہے۔ (وَلَا تُشْرِكُوا) یعنی حلال کو حرام قرار دے کر اسراف نہ کرو۔

رَأَيْتُمْ كَيْفَ يَكْفُرُ الْمُشْرِكِينَ) بلکہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو برا سمجھتا ہے اور ان کے کام پر راضی نہیں ہوتا۔

آیت کریمہ میں زِينَةً اللہ میں خوبصورت لباس اور زیب و زینت کی تمام چیزیں شامل ہیں۔ جیسے رُوفی، ریشم اوار، وغیرہ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ التَّرْزِی سے بعض نے لذیذ چیزیں مراد لی ہیں اور بعض نے طیبات کے معنی "حلال چیزیں" کیا ہے جن میں کھانے پینے کی چیزیں شامل ہیں۔ جیسے بکری کا گوشت، چربی اور دودھ وغیرہ۔

رَقْلٌ هِيَ اللَّذَيْنِ امْتَوَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا، یعنی یہ چیزیں اصلۃً تو تو مومنین کے لیے پیدا کی گئی ہیں گو یا بقیع کا فریبھی ان سے مستفید ہو رہے ہیں۔ لہذا مومنین کے لیے تخصیص میں کچھ اشکال نہیں ہے۔ اس کے بعد خالصتہً یَوْمَ الْقِيَامَةِ فرما کر بتا دیا کہ یہ چیزیں آخرت میں خالصتہً مومنوں کے لیے ہوں گی۔ رَقْلٌ اسما حرّم رَقِی الفواحش، یہ فاحشہ کی جمع ہے۔ اس سے انتہائی قبیح معاصی مراد ہیں جن میں بعض کا تعلق سند سے ہے۔ اس کے بعد مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطْنٌ کا جملہ الفواحش سے بدل ہے یعنی وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ۔

بعض علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ مَا ظَهَرَ سے علی الاعلان زنا مراد ہے اور مَا بَطْنٌ سے خفیہ طور پر زنا مراد ہے۔ جامی معاشرہ میں اعلانیہ کو تو برا سمجھا جاتا مگر سترِ زنا کوئی عیب نہ تھا۔ اس بنا پر قرآن نے تفصیل کر کے دونوں قسم کا زنا حرام قرار دے دیا۔

مجاہد کے نزدیک اول سے مراد برہنہ ہو کر طواف کرنا اور مَا بَطْنٌ سے مراد زنا ہے۔ بعض نے ظاہر سے دن دہاڑے مردوں کا برہنہ ہو کر طواف کرنا مراد لیا ہے اور مَا بَطْنٌ سے عورتوں کا رات کے وقت برہنہ ہو کر طواف کرنا مراد لیا ہے۔ (دلائل شمس) اصل میں ہر وہ چیز جو موجب مذمت ہو اُسے اثم کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد مطلقاً گناہ پر یہ لفظ بولا جانے لگا اور یہ تعمیم بعد تخصیص ہے۔ مگر بعض نے اثم سے شراب مراد لی ہے۔ اہل لغت کے نزدیک یہی معنی مراد ہیں اور اس سلسلہ میں شاہد بھی پیش کیا ہے۔

نَهَا نَا رَسُولُ اللَّهِ أَنْ نَقْرَبَ الزَّانَا

وَإِنْ تَشْرَبُ الْإِثْمَ الَّذِي يُوجِبُ الْزُّوْرًا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں زنا کے قرب سے بھی منع فرمایا اور یہ کہ ہم شراب نوشی کریں جو گناہ کی موجب ہے۔

ایک دوسرے شاعر نے کہا ہے ۵

شَرِبْتُ الْإِثْمَ حَتَّى ضَلَّ عَقْلِي

كَذَاكَ الْإِثْمُ يَذْهَبُ بِالْعَقُولِ

میں نے شراب نوشی کی حتیٰ کہ میری عقل گم ہو گئی، اسی طرح شراب عقل کو لے جاتی ہے۔

روابغی بغیر (کھتی) سے لوگوں پر ظلم و زیادتی مراد ہے۔ مابقی میں تقسیم کی بنا پر اُسے الگ ذکر کیا گیا ہے یا فواحش میں تو یہ داخل تھا مگر اس سے زبرد توخیج میں مبالغہ کے لیے اسے الگ ذکر کیا گیا ہے اور اثم کی صفات میں الحاد کر کے شرک نہ کرو اور نہ اللہ تعالیٰ پر ہتان باندھو۔ جیسا کہ سورۃ اعراف میں ہے کہ وہ کہا کرتے۔

کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے

وَاللَّهُ أَمَرَ بِهَا (۲۸)

بلاشبہ ہمارے زمانہ کے صوفی بھی زمانہ جاہلیت کی اس صفت پر چل رہے ہیں۔ انہوں نے اللہ کی پیدلی کی موئی زینت اور پاکیزہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے تاکہ لوگ اُن کے صالح ہونے کے معتقد ہو جائیں اور پھر تنہائی، ریاضت، اکل و لباس میں خاص امتیاز اور دیگر عادات اختیار کر رکھی ہیں اور ان کو یہ معلوم نہیں کہ اس طرح وہ اپنی نیکی کو برباد کر رہے ہیں اور ان لوگوں میں

داخل ہو رہے ہیں جن کے متعلق قرآن نے کہا ہے :-
 الَّذِينَ صَلَّوْا سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يُحْسِبُونَ أَنََّّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا
 کہ ان کی تمام مساعی دنیا میں ضائع ہو گئیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ نیک کام کر رہے ہیں -

(۲۹)

اسماء و صفات الہی میں الحاد

جاہلیت میں لوگ اسماء و صفات الہی میں الحاد سے کام لیتے -

سورۃ اعراف میں ہے :
 وَلِلّٰهِ اِلَٰهَ السَّمٰوٰتِ اِلَٰهٌ حَسْبِيَ قَادِرٌ عَلٰی
 بِرْہَا، وَذُرِّ وَالتَّذٰینَ یُلٰجِدُوْنَ
 فِیْ اَسْمَآئِہٖ سَیَجْزُوْنَ مَا
 کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ
 اور اللہ کے لیے اچھے نام میں لہذا اس
 کو انہی ناموں سے پکارو اور جو لوگ اس
 کے ناموں (اسماء و صفات) میں الحاد سے
 کام لیتے ہیں ان کو چھوڑ دو وہ اپنے
 کیے کا بدلہ قریب پائیں گے -
 (الاعراف ۱۸۰)

تفسیر آیت :-

”اسماء حسنی اللہ کے لیے ہیں“ اس میں مومنین کو تنبیہ کی ہے کہ کس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ذکر کریں اور جو لوگ اس میں خلل انداز ہوتے ہیں ان کے ساتھ کس طرح معاملہ کیا جائے۔ اس میں ان کی غفلت تامہ اور عام گمراہی کا بیان ہے۔ قَادِرٌ عَلٰی بِرْہَا، یہاں دُعا بمعنی نام لیکر پکارنے کے ہیں۔ جیسے ”دَعَوْتُ زَيْدًا“ کے معنی میں ”میں نے اُسے نام لے کر پکارا“ اور یا دُعا بمعنی بلا ہے۔ جیسے دَعَوْتُ زَيْدًا اِی تَادِیْتُهُ یعنی میں نے اُسے بلایا۔

رَوَدُّوا التَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِمْ) یعنی جو لوگ ان ناموں کے ساتھ پکارنے میں حق سے باطل کی طرف انحراف کرتے ہیں۔ محاورہ میں الحمد کے معنی بڑی ستقامت سے بہٹ جانے اور کج روی اختیار کرنے کے ہیں۔ اسی سے قبر میں لمحہ ہے جو ایک طرف بنی ہوتی ہے بخلاف "شق" کے کہ وہ وسط قبر میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں کج روی کی ایک صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس نام سے پکارا جائے جو قرآن و سنت میں ثابت نہ ہو یا جس میں معنوی خسرانی پائی جائے جیسا کہ بدوی لوگ، کہا کرتے یا ابیض التوجہ یا ابالکلام یا سخی یا اس کے مثل دیگر نام، پس اللہ تعالیٰ کے جو نام ثابت ہیں ان کو چھوڑ کر دوسرے ناموں سے پکارنا الحاد میں داخل ہے۔ ورنہ اس کے حقیقی ناموں سے پکارنے میں کچھ الحاد نہیں ہے۔ قرآن میں ہے۔

كَذَٰلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَمَةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَتْلُوَ عَلَيْهِمُ التَّذَاتِي أَوْ حِينَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ يَا مَعْزُومِينَ، قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَاب

راے پیغمبر جیسے ہم نے اور پیغمبر بھیجے ہیں اسی طرح تجھ کو بھی ایک گروہ کی طرف بھیجا ہے جس سے پہلے کئی گروہ گذر چکے ہیں، اس لیے کہ تو ان کو وہ قرآن پڑھ کر سنا دے جو ہم نے وحی کے ذریعہ تجھ پر بھیجا ہے اور وہ رحمن کو نہیں مانتے (اے پیغمبر) کہہ دے کہ وہ رحمن میرا مالک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر میرا بھروسہ ہے

اور اسی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (سورۃ الرعد ۳۰)

حضرت قتادہ، ابن جریر اور مقاتل سے روایت ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے جب حدیبیہ کے موقع پر صلحنامہ کو دیکھا کہ اس میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھا ہوا ہے اس پر سہیل بن عمرو نے کھڑکھڑا کر رحمن یا مہ یعنی سلیمہ کو تو جانتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ رحمن و رحیم

کیا ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ جب ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اللہ یا رحمن سنا تو اس نے کہا: محمد میں تقدیر اللہ سے منع کرتا ہے اور خود متعدد نام لیتا ہے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بعض نے روایت کی ہے کہ جب کفار کو حکم ہوا کہ خدا سے رحمن کو سجدہ کرو تو وہ کہنے لگے ہم نہیں جانتے کہ رحمن کیا ہے اور اس سے ان کی نفرت اور بڑھ چاتی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ علاوہ ازیں دیگر اقوال بھی منقول ہیں۔

بیز قرآن میں ہے۔

وَقَالُوا لَیْسَ بِدِینِکُمْ هَٰذَا دِینُکُمْ لَیْسَ بِدِینِکُمْ هَٰذَا دِینُکُمْ لَیْسَ بِدِینِکُمْ هَٰذَا دِینُکُمْ
 عَلَیْنَا قَوْلُکُمْ أَنُطِیقُ اللّٰهُ الَّذِیْ
 أَنْطَقَ کُلَّ شَیْءٍ وَهَٰذَا خَلَقَکُمْ
 أَوَّلَ مَرَّةٍ وَآلِیْہِ تُرْجَعُونَ
 وَمَا کُنْتُمْ تَسْتَرْشِدُونَ
 أَنْ یَشْہَدَ عَلَیْکُمْ
 سَمْعُکُمْ وَلَا أَبْصَارُکُمْ
 وَلَا جُنُودُکُمْ وَ لَکِنْ
 ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللّٰہَ لَا یَعْلَمُ
 کَثِیْرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ

اور لوگ اپنے چڑھوں سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی وہ کہیں گے بلایا ہم کو اللہ تعالیٰ نے جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت دی۔ اور اسی نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور اسی کے پاس تم لوٹ کر آؤ گے۔ اور جو تم چھپ کر گناہ کرتے ہو تو اس ڈر سے نہیں کہ تمہاری آنکھ تمہارے کان اور تمہارے چہرے تمہارے خلاف گواہی دیں گے بلکہ تم یہ سمجھتے تھے کہ تمہارے بہت سے کام خدا کو معلوم نہیں ہیں اور اسی گمان نے جو تم نے اپنے مالک کے ساتھ کیا تم کو تباہ کر دیا اور تم اسی بدگمانی کی بدولت آج گھائے میں پڑ گئے۔

(احمد مجید: ۲۱)

اس آیت میں اہل جاہلیت کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ وہ اسما حسنی کی طرح صفات الہی میں بھی الحاد سے کام لیتے تھے۔

مسند احمد انجاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ایک جماعت نے حضرت عبداللہ بن

مسعود سے روایت کی ہے کہ میں غلافِ کعبہ کی اوٹ میں کھڑا تھا کہ تین شخص آئے۔ ان میں ایک نقفی اور دو قریشی تھے یا ایک قریشی تھا اور دو نقفی تھے، جن کے پیٹ بھاری تھے لیکن ان میں فہم کا مادہ کم تھا انہوں پہلے کچھ گفتگو کی جسے میں سمجھ نہ سکا۔ پھر ایک کہنے لگا: کیا تم سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہماری یہ گفتگو سن رہا ہے۔ دوسرا بولا: ”اگر ہم بلند آواز سے گفتگو کریں نب تو وہ سنتا ہے۔ لیکن اگر ہماری آواز دھیمی ہو تو وہ نہیں سنتا۔“ اس پر دوسروں نے کہا: ”اگر وہ سنتا ہے تو سب کچھ سنتا ہے۔ میں نے ان کی اس گفتگو کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ﴿مَا كُنْتُمْ تَسْمَعُونَ﴾ سے میری آنکھیں بین تک نازل کیا۔

الغرض یہ صفاتِ الہی میں الحاد ہے اور آپ جانتے ہیں کہ اکثر مسلمان متکلمین تو اسماء و صفات میں الحاد کرنے میں اہل جاہلیت سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے نام رکھتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نہیں اتاری۔ ان میں سے بعض تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے صفات ہی نہیں ہیں، اور بعض نے کہا ہے کہ صفات تو ہیں لیکن وہ صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر اور بعض نے صفات کے غیر ذات ہونے کا دعویٰ کیا اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتا ہیں نازل کی ہیں ان کے ساتھ کلام نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے لیے کلام نفسی کو ثابت کرنے لگے اور انہوں نے کلام لفظی کا انکار کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی رسول سے کلام نہیں کی۔ یہ ساری باتیں صفاتِ الہی میں الحاد نہیں تو اور کیا ہیں جس سے انہوں نے اپنی کتابیں بھر رکھی ہیں اور اس قسم کے ہدیان سے اُن کو پُر کر رکھا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق تو اہل جاہلیت سے ہے۔ لیکن انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ آیت عام ہے اور اہل جاہلیت فردِ کامل ہونے کی حیثیت سے اس عموم کے تحت داخل ہیں۔

اور جس کو اللہ تعالیٰ نے بصیرت دی ہو اور اس کے قلب کو منور کیا ہو تو وہ

ان لوگوں کی کتابوں سے عقاید اخذ نہیں کرے گا بلکہ معرفت الہی کتب سلف سے حاصل کرے گا جو کہ کتاب و سنت کے نصوص پر مشتمل ہیں۔

(۳۰)

اللہ تعالیٰ کی طرف نقائص کی نسبت

اہل کتاب اور مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی چیزوں کی نسبت کرتے جو سبحانہ و تعالیٰ کے حق میں نقائص کی موجب تھی۔ مثلاً اللہ کے اولاد ہے اللہ تعالیٰ کو حاجت ہے وغیرہ۔ چنانچہ نصاریٰ نے حضرت مسیح کو ابن اللہ کہہ دیا اور مشرکین عرب میں سے ایک گروہ فرشتوں کے بنات اللہ ہونے کا قائل ہو گیا اور بعض فلاسفہ عقول عشرہ کی تولید کے قائل ہو گئے۔ اسی طرح یہود نے عزیز کو ابن اللہ کہہ دیا۔ الی غیر ذلک۔

اللہ تعالیٰ نے ان سب کی نفی کی اور اپنی ذات کو ان چیزوں سے منفرد

قرار دیا اور فرمایا:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ
الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ وَلَمْ
يُولَدْ ۝ لَمْ يَكُنْ لَهُ
كُفُوًا أَحَدٌ۔ (سورۃ الاخلاص)

تم کہہ دو اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے
نہ اُس نے کسی کو جنم دیا ہے اور نہ اُسے
کسی نے جنم دیا ہے اور نہ کوئی اُس کا
ہمسرہ ہے۔

اور سورۃ الصافات میں فرمایا:

أَلَا إِنَّهُمْ مِنْ أَفْئِدَتِهِمْ
لَيَقُولُونَ وَلَدَ اللَّهُ ۚ وَإِنَّهُمْ
لَكَاذِبُونَ (الصافات ۱۵۱، ۱۵۲)

خبردار! یہ اُن کا افتراء ہے جو کہتے ہیں
کہ اللہ کے اولاد ہے بلاشبہ یہ
جھوٹے ہیں۔

اور سورۃ الانعام میں فرمایا:

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِبْتِ وَ
 هُوَ خَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ
 وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ، سُبْحَانَ وَتَعَالَى
 عَمَّا يَصِفُونَ۔ بَدِيعُ السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ أَتَىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ
 وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ
 كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ
 عَلِيمٌ

(الانعام ۱۰۰، ۱۰۱)

اور انہوں نے جنوں کو اللہ کا شریک
 بنا دیا۔ حالانکہ اس نے جنوں کو پیدا
 کیا ہے اور علم کے بغیر ہی اللہ کیلئے
 بیٹے اور بیٹیاں بنا دیے وہ ذات پاک
 ہے اور جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں اس سے
 بلند و بالا ہے۔ آسمان و زمین کا پیدا
 کرنے والا ہے اس کی اولاد کیسے ہو
 سکتی ہے جب کہ اس کی بیوی نہیں ہے
 اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز
 کو خوب جانتا ہے۔

یہ آیت ان تمام الفروع کو شامل ہے جو اس باب میں بعض امتوں سے ذکر
 کی جاتی ہیں۔ جب کہ اس آیت میں اولاد کے اتنا ذکر کی نفی ہے۔ اس طرح ہر
 قسم کے اتخافات کی نفی ہے۔ جیسا کہ سورۃ المائدہ میں فرمایا :-

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ
 قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّثْلُ
 خَلْقٍ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ
 وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ
 وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَ
 الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
 وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ۔

(المائدہ ۱۸)

اور یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں ہم خدا کے
 بیٹے اور چہیتے ہیں۔ اے پیغمبر کہہ دے
 پھر تم کو تمہارے گناہوں کے بدلے
 کون عذاب کرتا ہے (تم نہ بیٹے ہو نہ
 چہیتے) جو بشر اس نے پیدا کیے انہی میں
 سے تم ہو، وہ جس کو چاہے بخش دے
 جس کو چاہے عذاب دے اور اللہ ہی
 کی بادشاہت ہے آسمانوں اور زمین
 اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اور
 اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں سُدی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسرائیل و یعقوب علیہ السلام کی طرف وحی کی تیرا بیٹا میری اولاد میں اکلوتا ہے تو میں اس کو آگ میں داخل کروں گا تو یہ اس میں چالیس دن رہیں گے حتیٰ کہ وہ آگ ان کو پاک کر دے گی اور ان کے گناہ کھا جائیں گے پھر پکارنے والا پکارے گا کہ بنی اسرائیل میں سے ہر خنتے والے کو آگ سے نکال لاؤ۔

اور سورۃ مؤمنین میں ہے :

مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ
مِنْ اِلٰهٍ - (المؤمنون : ۹۱)

اور سورۃ الاسراء میں فرمایا :

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ
وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ
فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ
دَلِيٌّ مِنَ الدِّنَالِ
(الاسراء : ۱۱۱)

اور سورۃ الفرقان میں فرمایا :

ثُبُوكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى
عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ مَذْهَبًا
الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ
يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِى الْمُلْكِ
وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقْدَارًا
تَعْبٰدًا -

(الفرقان : ۲۱)

اللہ نے کسی کو اولاد نہیں بنایا اور نہ ہی
اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے۔

تم کہو سب تعریف اللہ کے لیے ہے
جس نے کسی کو اولاد نہیں بنایا اور نہ
ملک میں اس کا کوئی ساتھی ہے اور نہ
اس کو ذلت سے بچانے کے لیے کسی
حمایتی کی ضرورت ہے۔

وہی ذات بابرکات ہے جس نے اپنے
بندہ پر فرقان اتارا تاکہ روئے جہاں والوں کے
لیے ڈرانے والا ہو۔ وہ ذات ہے جس کی
حکومت آسمانوں اور زمین میں ہے اور
اس نے اولاد حاصل نہیں کی اور نہ ملک
میں اس کا کوئی ساتھی ہے اس نے ہر چیز
کو پیدا کیا اور اسے خوب اندازہ سے
بنایا۔

اور کہا انہوں نے کہ خدا سے رحمت نے اولاد بنالی ہے، وہ اس سے بلند و بالا ہے بلکہ یہ فرشتے تو اللہ کے مکرم بندے ہیں، کسی بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم کے مطابق عمل پیرا ہیں وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے سے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ وہ کسی کی شفاعت نہیں کرتے مگر جس پر اللہ راضی ہو اور وہ اس کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں۔ ان میں اگر کوئی یہ کہہ دے کہ اللہ کے سوا میں معبود ہوں تو اسے ہم جہنم رسید کر دیں گے۔ اسی طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا
سُبْحَانَهُ يَلْ عِبَادُكُمْ مُرْضُونَ
كَأَسْفُوتٍ بِالنَّوْلِ وَهُمْ
يَاْمُرُونَ بِعَمَلُونَ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ
أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَكَأ
يَشْفَعُونَ إِيَّاكُمْ إِنْ تَصَلَّ
وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ
مُشْفِقُونَ وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ
إِنِّي إِلَهٌ مِنْ دُونِهِ فَقَدْ آتَاكَ
نَجْرِيهِ جَهَنَّمَ كَذَّالِكِ
نَجْرِي الظَّالِمِينَ

(الانبیاء ۲۲، ۲۹)

اور سورۃ نحل میں فرمایا:-

وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَٰهَيْنِ
إِثْنَيْنِ إِتَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ
فَأَيُّ قَوْمٍ قَارِهُيُونَ وَلَهُ
مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ وَلَهُ الدِّينُ
وَالْأَصْبَاحُ... وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ
الْبَنَاتِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَلَهُمْ مَا
يَشْتَهُونَ

(النحل ۵-۵۴)

اور سورۃ الاسراء میں فرمایا:-

اور اللہ نے حکم دیا کہ دو معبود نہ بناؤ۔ سچا
عبود صرف ایک ہی ہے پس مجھ ہی سے
ڈرو اور اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمان اور
زمین میں ہے اور ہمیشہ اسی کے لیے
فرمانبرواری ہے۔ اور اللہ کے لیے بیٹیاں
بناتے ہیں وہ پاک ہے اور اپنے لیے
جو وہ پسند کرتے ہیں۔ (یعنی بیٹے)۔

اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ
 بناؤ ورنہ تو ملامت کیا اور راندہ ہوا۔
 جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ کیا خدا نے
 تمہارے لیے بیٹے چن لیے اور اپنے لیے
 فرشتوں کو بیٹیاں یہ تو تم بڑی غلط بات
 کہہ رہے ہو اور ہم نے اس قرآن میں
 پھیر پھیر کر ہر مثال کو بیان کیا ہے اس لیے
 کہ یہ لوگ نصیحت نہیں لیکن ان کی
 نفرت میں اضافہ ہی ہو رہا ہے اسے پیغمبر
 ان سے کہہ دو اگر خدا کے ساتھ اور معبود
 بھی ہوتے جیسے یہ لوگ کہتے ہیں تب تو
 عرش کے مالک تک ضرور کوئی راستہ
 دھوڑ دھڑ نکالتے۔

وَمَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ
 فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَكُودًا
 مَّدْحُورًا ۚ فَأَصْحَاكُمْ رَبُّكُمْ
 بِالْبَيِّنَاتِ ۖ وَإِنَّكُمْ مِنَ
 الْمَذْمُوكَةِ إِنَّا تَأْتُوا
 لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا
 وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِي
 هَٰذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا
 وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا
 قُلْ لَوْ كَانَتْ مَعِيَ إِلَهَةٌ
 كَمَا يَقُولُونَ إِذَا أَهْلَا بَتُّوْا
 إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا

(الاسراء: ۳۶-۴۲)

اور سورہ الصافات میں فرمایا :-

اب ان کافروں سے پوچھو کیا تیرے
 مالک کے لیے بیٹیاں ہیں اور ان کیلئے
 بیٹے ہیں یا ہم نے فرشتوں کو عورت
 ذات بنایا اور وہ دیکھ رہے تھے اس
 لیے یہ ان کا افتراء ہے جو کہتے ہیں
 کہ اللہ کی اولاد ہے اور وہ بے شک
 جھوٹے ہیں۔ بھلا کیا اس نے بیٹیوں پر
 بیٹیوں کو پسند کیا تم کو کیا ہوا ہے تم
 کیسا حکم لگاتے ہو کیا تم سوچتے نہیں۔

فَاسْتَفْتِهِمْ أَیُّ رَبِّکَ الْبَنَاتُ
 وَلَهُمْ الْبَنُونَ ۖ أَمْ خَلَقْنَا
 الْمَذْمُوكَةَ إِنَّا تَأْتُوا
 شَاهِدُونَ ۖ أَلَا إِنَّهُمْ مِنْ
 أَفْکِهِمْ یَقُولُونَ وَلَدَ اللَّهُ ۖ
 إِنَّهُمْ تَکْذِبُونَ ۖ أَصْطَفَى
 الْبَنَاتِ عَلَىٰ الْبَنِينَ ۚ مَا لَکُمْ
 کَیْفَ تَحْکُمُونَ ۚ أَفَلَا
 تَذَکَّرُونَ ۚ أَمْ لَکُمْ

یا تمہارے پاس اس بات کی کوئی کھلی سند ہے۔ اگر سچے ہو تو اپنی کتاب لے کر آؤ، اور ان لوگوں نے اللہ اور جنوں میں رشتہ نامہ قائم کیا ہے اور جنوں کو خوب معلوم ہے کہ ایسا کہنے والے پکڑے آئیں گے، اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بناتے ہیں، مگر اللہ کے چنے ہوئے بندے۔ بیشک تم اور جن کو تم پوچھتے ہو یہ کسی کو ہکا کر بت پرستی پر نہیں لگا سکتے۔ مگر اس کو جو دوزخ میں جانے والا ہے۔

بھلا بتلاؤ تو سہی لات اور عریٰ اور تبیسرا ایک اور بت جناہ ریہ کس کام کے ہیں! تم کو تو بیٹھے ملے اور پروردگار کو بیٹیاں یہ تو اگر ہو تو ایک بھونڈی تقسیم ہے یہ بت تو نرے نام ہی نام ہیں جو کم نے اور تمہا سے باپ دادا نے تراش لیے ہیں۔ اللہ نے تو ان کی کوئی سند نہیں اتاری۔ یہ کافر بس گمان پر چلتے ہیں، اور جو ان کے دل میں آتا ہے کرتے ہیں حالانکہ ان کے مالک کی طرف سے ان کو رستہ بھی بتایا جا چکا ہے مگر مٹا دیا۔

سُلْطٰتٌ مُّبِيْنٌ نَّاتُوا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ، وَجَعَلُوْا بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّجْمَةِ نَسْبًا وَلَقَدْ عَلِمْتِ النَّجْمَةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ، سُبْحٰتِ اللّٰهِ عَمَّا يُصِفُوْنَ ، اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلِصِيْنَ فَاَتَكْفُرُوْنَ مَا تَعْبُدُوْنَ مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِمْ بِفَارِثِيْنَ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَهَنَّمَ ،

(الصافات ۱۴۹-۱۵۳)

اور سورۃ النجم میں فرمایا :- اَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ، وَ مَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی ، اَلَكُمُ الذَّكْرُ وَلَهُ الْاُنْثٰی بَلْ اِنَّ اَقْسَمَهُمْ لَبِيْزٰی اِنْ هٰی اِلَّا اَسْمَآءٌ سَمِيَّتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَ اَبَآءُكُمْ مَا اَشْرٰى اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ، اِنْ يَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الْاَنۡفُسَ وَ مَا تَهْوٰی الْاَنۡفُسُ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْوَحْيُ... اِنْ

الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيْسُوا
 الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةَ الْإِنْسَانِ
 (النجم ۱۹-۲۷) ہیں۔

اور سورۃ الزخرف میں ہے
 وَجَعَلْنَا لَهُ مِنْ بَنِيهِ جُزْءًا
 (النحش ۱۵)

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں "جزء" کے معنی نصیب یا حصہ کے ہیں
 اور بعض نے "اولاد سے حصہ" کا معنوم مراد لیا ہے۔ قتادہ اور مقاتل نے "جزء"
 کے معنی عدلاً کے کیے ہیں اور یہ دونوں قول صحیح ہیں، کیونکہ وہ اللہ کے لیے
 اولاد بھی بناتے تھے اور اولاد اپنے باپ کے مشابہ ہوتی ہے۔
 چنانچہ سورۃ الزخرف میں فرمایا :-

وَإِذَا يُشِيرُ أَحَدُهُمْ بِمَا صَرَبَ
 لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ
 مُسْوَدًّا -
 (الزخرف ۱۷)

یہاں پر بِمَا صَرَبَ لِلرَّحْمَنِ سے مراد میں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے
 دوسری آیت میں فرمایا :-

وَإِذَا يُشِيرُ أَحَدُهُمْ
 بِأَلْوَشْيٍ ظَلَّ وَجْهُهُ
 مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ
 (النحش ۵۸)

لہذا انہوں نے اللہ کے لیے مثال بھی بیان کی اور اس کے بندوں میں سے اس
 کا جزء بھی مقرر کیا کہ اولاد اپنے والد کا جزء ہوتی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

إِنَّمَا قَاطِمَةٌ بَضْعَةٌ مَتَى

اور سورۃ الانعام میں ہے :-

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ

وَوَحَّوْا إِلَهُهُ بَيْنَ وَ بَنَاتٍ

بِغَيْرِ عِلْمٍ

(الانعام، ۱۰۰)

اور ان مشرکوں نے جنوں کو اللہ کا شریک

بتایا حالانکہ اللہ ہی نے جنوں کو پیدا

کیا اور ان لوگوں نے نادانی سے اللہ

کے لیے بیٹیاں اور بیٹیوں کو تراش لیا

کلمی کہتے ہیں کہ یہ آیت زنا دقہ کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ کہتے ہیں

کہ اللہ تعالیٰ اور ابلیس دونوں شریک ہیں۔ اللہ خالق نور، ناس اور دواب ہے

اور ابلیس خالق ظلمت، سباع، حیات اور عقارب ہے۔

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ

وَرَمِيَانِ نَسَبًا

وہ کہا کرتے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اور فرشتوں کو جن کھاناں کے

آنکھوں سے غمی رہنے کی وجہ سے ہے۔ یہ قول مجاہد اور قتادہ کا ہے بعض نے

کہا ہے فرشتوں کے ایک گروہ کو جن کہا جاتا ہے اور انہی میں سے ابلیس ہے

اور یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اور آیت کریمہ رَوَّحُوا إِلَهُهُ بَيْنَ وَ بَنَاتٍ بِغَيْرِ

عِلْمٍ کی تفسیر میں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے کفار عرب مراد ہیں

جو کہ فرشتوں اور بتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے اور یہود نے عزیر کو خدا کا

بیٹا قرار دیا۔ اور بعض عرب مراد ہیں جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے اور

کہتے۔ کہ اللہ نے جنوں سے مصاہرت کا رشتہ قائم کر لیا ہے جس سے

فرشتے پیدا ہوئے ہیں۔ چنانچہ قرآن نے اس کی نفی کی اور فرمایا کہ اللہ کی نہ بیوی

ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کا جڑ ہو سکتا ہے کیونکہ وہ ”عَمَّا“ ہے۔

رَوَّحُوا بَيْنَهُ صَاحِبَةٌ یہ اس بنا پر ہے کہ ولادت کے لیے دو اصل

کا ہوتا ضروری ہے اور اس میں جواہر و اعراض اور صفات سب برابر ہیں بلکہ اعیان کا تولد تو والد سے کوئی جزء مفصل ہونے کے بغیر محال ہے۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ کی بیوی نہیں ہے تو اس کے اولاد کیسے ہو سکتی ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ فرشتوں اور جن و انس سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی بیوی نہیں ہے اس لیے یہ ان کے خلاف حجت سے اور بعض کفار عرب سے جو مصاہرت کا قول منقول ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ متعدد وجوہ سے منفی ہے۔ اسی طرح نصاریٰ کا مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دینا اور یہود کا حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنا، ان سب کی اللہ نے تردید کی ہے اور یہ پوری بحث حافظ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الجواب للصحیح اور تفسیر سورۃ الاخلاص میں تفصیل سے ذکر کی ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ روحہ کی دوسری کتابوں میں بھی یہ مباحث مذکور ہیں۔ واللہ التوفیق۔

(۳۱)

پھر وہ جو کچھ خالق کی طرف نسبت کرتے مخلوق کو اس سے منترہ قرار دیتے

یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب جس چیز کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے خود مخلوق کو اس سے منترہ قرار دیتے۔ مثلاً عیسائی (نصاریٰ) اپنے علماء کو اولاد اور بیوی سے منترہ دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ کہا کرتے، جو لوگ استحصالی کلمات کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت رکھتے ہیں جیسے رامب اور ان جیسے دوسرے لوگ وہ حضرت مسیح کی اقتدار میں عورتوں کے ساتھ رطف اندوزی کی دنارت کے

دور رہتے ہیں۔ پھر ان کی کم عقلی اور گمراہی کو دیکھتے کہ انہوں نے نکاح کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کیے۔

عبدالباقی العمري عراقی نے بعض علماء نصاریٰ کی تردید میں کیا ہی خوب کہا ہے ع
 قل للفرس نسل قسودۃ الزہبان العجائلیق البترک السراینی
 أنت الذی زعمت الزواج نقیصۃ ممن حماک الله عن نقصان

ونسبت تزویجہ اولہ بہریم

فی زعم کل مثلث نصرا فی

فرس نسل جاتلق پادری ربانی سے کہہ دو کہ تم نے پیغمبروں کے لیے نکاح کو عیب قرار دیا ہے۔ لیکن تم یہ بھول گئے ہو کہ ہر تثلیث پرست نصرائی کا عقیدہ ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم سے نکاح کیا۔

اسی طرح مشرکین عرب ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے لیکن خود اپنے لیے پسند نہ کرتے اور ان کو زندہ دگور کر دیتے۔ دراصل اس قسم کے مقالات کا فتنہ پیغمبروں کی تعلیم سے جہالت ہے اور یا پھر عقل سے کام نہ لینے کا نتیجہ ہے ورنہ اہل بصیرت اس قسم کی باتوں سے دور رہتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

(۳۲)

تعطیل کا عقیدہ

جاہلیت میں لوگ تعطیل کے قائل یعنی صنایع کے منکر تھے جیسا کہ فرعون نے اپنی قوم سے کہا: مَا عَلِمْتُ لَكُۢمْ یعنی میرے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں مِّنْ اِلٰہٍ غَيْرِی (انقص ۳۸) ہے۔

اور دنیا کسی دور میں بھی اس قسم کی جہالتوں سے خالی نہیں رہی اور اس دور

میں بھی اکثر لوگ اسی باطل عقیدے پر جمے ہوئے ہیں لیکن اگر انصاف کی نظر سے دیکھیں اور غور و تدبیر سے کام لیں تو معلوم ہو سکتا ہے کہ اس میں ہر چیز اپنے خالق اور باری کے وجود پر دلالت کر رہی ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

دَرْقِيْ كُلِّ شَيْءٍ لَّهٗ اَيَّةٌ
تَدُلُّ عَلَى اَنَّهُ وَاحِدٌ

”کہ دنیا کی ہر چیز میں اس بات پر دلیل پائی جاتی ہے کہ اس جہان کا صانع ایک ہی ہے۔“

اور طبعی طور پر اس قسم کے دلائل کیسے موجود ہو سکتے ہیں جو آفاق و انفس میں پاتے جاتے ہیں۔ جبکہ طبیعت میں شعور نہیں ہے اور نہ اس میں کچھ علم و فہم پایا جاتا ہے۔ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا۔

(۳۳)

ملک میں شرکت (اباحیت)

موس، ملک میں جو چیزیں پائی جاتی ہیں ان میں شرکت کے قائل ہیں۔ یہ لوگ، روشنی، آگ، پانی اور زمین کی تعظیم کرتے ہیں اور ”زرادشت“ کو اپنا نبی مانتے ہیں۔ انہوں نے کچھ شرائط و احکام مقرر کر رکھے ہیں، جن کی وہ پابندی کرتے ہیں۔ ان کے متعدد گروہ ہیں۔
۱۔ مزدکیہ، جو کہ مزدک المہند کے متبع ہیں اور اس کو عالم اور ہشیوا مانتے ہیں۔ یہ لوگ عورتوں اور دیگر مکاسب میں بھی اشتراک کے قائل ہیں جیسا کہ سب لوگ ہوا اور راستوں وغیرہ میں شریک ہیں۔

(۲) حرمیہ، یہ لوگ بالک خرمی کے متبع ہیں۔ یہ سب سے بڑا فرقہ ہے جو صانع معاد، نبوت، حلال و حرام کسی چیز کے بھی قائل نہیں ہیں، قرامطہ، اسماعیلیہ نصیریہ، کیسانیہ، زرار یہ، حکیمیہ اور عبیدیہ یہ سب فرقے انہیں کے مذہب پر ہیں، اور عبیدیہ فرقہ اپنے آپ کو فاطمیہ کہتے ہیں، ان سب کا مذکورہ اصولی جامع ہے۔ اور تفصیلات میں متفاوت ہیں۔

الغرض جو اس ان سب کے شیوخ ہیں اور ان کے ائمہ اور پیشوا ہیں گو مجوس اپنے اصل دین اور شرائع کے پابند ہیں اور یہ لوگ کسی دین اور شریعت کے قائل نہیں ہیں۔

(۳۴)

انبیاء کی نبوت کا انکار

وہ لوگ انبیاء کی نبوت کا انکار کرتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں ان کے اقوال کی حکایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

اُولَٰئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰی اللّٰهُ فِیْہُمْ اَقْتَدٰہُ، قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ سَکِیَہٗ اَجْرًا، اِنْ هُوَ اِلَّا وَکُورٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ، وَ مَا قَدَرُوْا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ اِذْ قَالُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ، قُلْ مَنۢ اَنْزَلَ کِتٰبَ الْاِنۡشٰیۃِ حَبَّآءِ بِہٖ

یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تم بھی انہی کی راہ پر چلو اسے پیغمبر، کھدے میں قرآن سنانے پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا۔ قرآن تو اور کچھ نہیں سارے جہان کے لیے رحمت ہے اور ان لوگوں نے اللہ کو جیسا بچا نہ بچا بیٹے تھا نہیں پہچانا جب تو کہنے لگے اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا اسے

مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى
لِّلنَّاسِ تَجْعَلُونَهُ
قَوًّا طَيِّسًا تُبَدِّلُهَا
وَتُخَفِّفُونَ كَثِيرًا وَ عَلَيْنَا
مَا لَمْ تَعْلَمُوا أَنْتُمْ وَأَبَاءُكُمْ
قُلِ اللَّهُ، ثُمَّ ذَرِهِمْ فِي
خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ
(۹۰، ۹۱)

پیغمبر ان سے کہہ دیجیے کہ جس کتاب کو موسیٰ
لے کر آئے تھے اور اس میں ہدایت اور
روشنی تھی اس کو کس نے اتارا تھا، تم نے
اس کے اوراق بنا رکھے ہیں ان میں سے کچھ
حصہ کو غائب کرتے ہو اور کچھ کو چھپاتے ہو اور
تم کو وہ باتیں سکھاتی گئیں جو تم نہیں جانتے تھے
اور نہ تمہارے باپ دادا کو ان کا علم تھا کہ
اللہ ہی نے وہ کتاب اتاری تھی، پھر ان کو
اپنی غلط باتوں میں کھیلنے دے۔

اس آیت میں وَاَقْدَرُوا اللہ سے امر نبوت کی تمہید ہے اس سے قبل حضرت
ابراہیم کے متعلق بیان کیا ہے کہ انہوں نے توحید کے دلائل دیئے اور شرک
کا ابطال کیا اور پھر امر نبوت کو نہایت واضح دلیل کے ساتھ ثابت کیا ہے، کہ
انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صحیح طور پر معرفت حاصل نہیں کی یا اللہ تعالیٰ کی کما حقہ
تعظیم نہیں سجالاتے کیونکہ انہوں نے بعثت رسل اور انزال کتب کا انکار اور اللہ تعالیٰ
کی بہت بڑی نعمت کی ناشکری کرتے ہوئے کہا (مَا أَزَلَّ اللَّهُ عَلَىٰ نَبِيٍّ قَبْلَ
نَبِيِّيٍّ) کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔ اس قول شنیع کے قائلین
کی تعبیر میں علمائے تفسیر کا اختلاف ہے۔ مجاہد سے روایت ہے کہ اس سے
مراد مشرکین قریش ہیں۔ اور جمہور کے نزدیک اس کے قائل یہود ہیں اور ان

سے حضرت ابراہیم عباس اور یحییٰ قائل ہیں، لہذا اگر گزشتہ سلسلہ کلام اور بعد
جوانی تفسیر کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ ظاہر ہوگا دعویٰ تھا جسے کفار قریش ... دلیل بنا کر آنحضرت کی نبوت
سے انکار کیا کرتے تھے لیکن حافظ ابن جریر نے قول اول کو ترجیح دی ہے۔ حافظ ابن کثیر بھی کہتے ہیں
وَالْأَوَّلُ أَحْمَدُ۔ قریش بھی چونکہ موسیٰ کی نبوت کے قائل تھے اس لیے قل من أنزل الكتب الخ سے
ان پر الزام محبت ہے (مختص اشرف المباحث)

کا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں مبالغہ کے ساتھ طعن کرنا ہے چنانچہ الزام محبت کے طور پر ان سے کہا گیا۔ ”تم ہی بتاؤ جو کتاب حضرت موسیٰ لے کر آئے تھے وہ کس نے نازل کی تھی؟ یعنی جب تم توراۃ کے منزل من اللہ ہونے کا انکار نہیں کر سکتے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے نازل ہونے کا کیسے انکار کر سکتے ہو۔ نبوت کے ثبوت میں دوسری جگہوں میں مفصل بحث کی گئی ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ نبوت کا انکار بھی سنن جاہلیت سے ہے اور فی زمانہ بھی بہت سے لوگ اس قماش کے پائے جاتے ہیں۔

(۳۵)

تقدیر کا انکار اور اس سے اللہ تعالیٰ پر احتجاج

وہ تقدیر کا انکار کرتے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ پر احتجاج کرتے اور قضاء قدر سے شریعت کا معارضہ کرتے۔ یہ مسئلہ چونکہ دین کے غوامض سے ہے اور اس پر صحیح طور پر واقفیت بہت مشکل ہے، لہذا یہ کہ اللہ تعالیٰ تو فیق ہے حافظ ابن القیم نے اس باب میں ”شفاء العلیل فی القضاء والقدر والحکمة التعلیل“ کے نام سے ایک جلیل القدر کتاب لکھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس جاہلی عقیدہ کی تردید کی ہے۔ چنانچہ سورۃ الانعام کے آخر میں فرمایا :-

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا
كَوْشَاءُ اللَّهِ مَا اشْرَكْنَا
وَلَا آبَاءُنَا وَلَا حَزَرْنَا
مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ كَذَّبَ
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّى

مشرک یہ کہیں گے اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا کوئی شرک کرتے اور نہ کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کرتے اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گذرے انہوں نے اپنے پیغمبروں کو

فَاَقْوِاْ اِيْسَتَا، قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ
 مِنْ عِلْمٍ تَخْرُجُوْهُ لَنَا، اِنْ
 تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ
 اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ
 قُلْ قَلْبِيْ لَلْحُجَّةِ
 الْبَالِغَةِ فَلَوْ شَاءَ
 لَهْدَاكُمْ اَجْمَعِيْنَ

جھٹلایا آخر ہمارے عذاب کا مزہ چکھا
 اے پیغمبر کہدے تمہارے پاس کوئی
 دلیل بھی ہے تو ہمارے سامنے اُسے
 پیش کرو، کچھ نہیں تم نے بے گمان پر
 چلتے ہو اور نرمی اٹکیں کرتے ہو اسے
 پیغمبر کہدے اللہ ہی کی دلیل نہ بدست
 ہے پھر اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ
 پر لگا دیتا۔

(الانعام ۴۸، ۱۴۹)

تفسیر آیت :-

یہاں سے ان کے اباطیل کی ایک اور قسم بیان کی ہے کہ وہ شرک اور
 اپنی غلط روش پر قائم رہنے کے لیے تقدیر کا سہارا لیتے اور کہتے کہ ہماری
 حق میں خود اللہ کی مرضی یہ ہے کہ ہم شرک کریں اور جو چیزیں ہم نے حرام
 ٹھہرائی ہیں انہیں حرام ٹھہرائیں کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہوتی تو ہم سے
 اور ہمارے آباء و اجداد سے ان افعال کا صدور ممکن نہ تھا۔ افعال فیجہ کے
 ارتکاب پر یہ ان کی طرف سے معذرت نہ تھی، کیونکہ وہ ان افعال کو فیجہ
 سمجھتے ہی نہ تھے بلکہ جیسا کہ آیات میں مذکور ہے ان افعال کو بنظر استحسان
 دیکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ”اصنام“ کی عبادت
 کرتے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام کیا تھا۔ ان کا مطلب یہ تھا
 کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے تحت کر رہے ہیں
 اور مشیت و ارادہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور مشرعت کو مستلزم ہے جیسا کہ معتزلہ
 کا مذہب ہے۔ لہذا شرک اور دیگر افعال جن کا ہم ارتکاب کر رہے ہیں، اللہ
 تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ اور مشروع ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی حکایت کے بعد اس کی تردید کی اور فرمایا کہ پہلے مشرک بھی یہی کہا کرتے تھے۔ مطلب یہ کہ ان کا کلام تکذیبِ رسل کو متفقین ہے جن کی صداقت معجزہ سے ظاہر ہو چکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشیتِ الہی واجب اور علمِ مشیت یعنی کسی چیز کے نہ ہونے کو چاہنا امتناع کو مستلزم ہے اور جس چیز کا وجوب یا امتناع مشیتِ الہی پر موقوف ہو اس کے ساتھ مکلف بنانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ تکلیف استطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو مشرک وغیرہ وہ کر رہے ہیں اس کے ترک کا مکلف بنانا جائز نہیں ہے اور نہ اس کے لیے کوئی نبی بھیجا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: یہ تو صحیح ہے کہ استیلاء کا وجوب و امتناع مشیت کے ساتھ معلق ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ پھر ایسی چیز کے ساتھ مکلف بنانا جائز نہیں ہے اور یہ کہ انبیاء اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹے ہیں، صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ پیغمبروں کی صداقت تو دلائلِ قطعیہ سے ثابت ہو چکی ہے۔ اس بنا پر اس سے غلط نتیجہ اخذ کرنے یعنی پیغمبروں کی تکذیب پر ان کی مذمت کی گئی ہے کہ متعلق مشیت کا واجب الوقوع ہونا بعثت و تکلیف کے دعویٰ میں سچا ہونے کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ بعثت و تکلیف تو اظہارِ طریق اور ابلاغِ حجت کے لیے ہیں۔ (حتیٰ ذاقوا باسنا) یہی وجہ ہے کہ تکذیب کی وجہ سے پہلے کفار نے عذاب کا ذائقہ لیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ آخرت میں ان کے لیے جو عذاب کا ذخیرہ موجود ہے۔ یہ محض اس کی ابتداء تھی۔ ”قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخَذُّهُ جُؤَهَنًا“ یعنی شرک اور افعالِ قبیحہ جن کا تم ارتکاب کر رہے ہو اگر عند اللہ ان کے مرتعی ہونے پر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو لاؤ ہمارے سامنے پیش کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ اپنے اس کردار کی وجہ سے تو بیخ کے مستوجب ہیں۔ کیونکہ وہ دین کا استہزاء اڑاتے اور انبیاءِ علیہم السلام کی دعوت کو رد کرنے کے لیے بہانے تراشتے تھے۔ چونکہ انبیاء و رسل

کے شراعیع میں انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ تمام کام اللہ تعالیٰ کو تفویض ہیں پھر جب پیغمبروں نے ان سے اسلام اور التزام احکام کا مطالبہ کیا تو ان کی دعوت کو روک کرنے اور دین کا مذاق اڑانے کے لیے اسی تفویض کو بہانہ بنا لیا ورنہ اس کلمہ سے ان کا مقصد اپنے عقیدہ کا اظہار نہ تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان لانا خود اللہ پر ایمان لانے کی فرع ہے۔ مگر وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے۔

(قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ) یعنی اللہ تعالیٰ حجت کا ملکہ مالک ہے۔ مفسرین نے عموماً اس سے کتاب، رسول اور واضح بیان مراد لیا ہے جو اتمام حجت کے لیے کافی ہیں ورنہ اگر اللہ تعالیٰ کو جبر و اکراہ سے یا توفیق ہی دے کر ہدایت پر لانا ہوتا تو کوئی شخص بھی گمراہ نہ ہو سکتا۔ لیکن اللہ کی مشیت یہ ہے کہ لوگ اپنے اختیار سے راہ ہدایت اختیار کریں اور جو گمراہ ہوتا ہے وہ اتمام حجت کے بعد اپنے اختیار سے گمراہ ہو۔

بعض نے آیت کریمہ کی ایک دوسری توجہ یہ بیان کی ہے کہ کفار یہ سمجھتے تھے کہ ایمان و اسلام تو ہمارے اختیار میں ہے لیکن شرک و ضلالت پر مجبور کیے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور رسول کے خلاف اس کو دلیل بناتے ہیں تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دعویٰ جبر کی تردید کی اور فرمایا کہ تم سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے اس خیال سے دھوکا کھایا ہے اور پیغمبروں کی تکذیب کر کے شرک و کفر میں مبتلا رہے ہیں۔ انہوں نے بھی پیغمبروں کی دعوت کو ٹھکرانے کے لیے مشیت الہی کا سہارا لیا مگر یہ کوئی دلیل نہیں، حجت کا ملکہ تو اللہ کے لیے ہے۔ بلاشبہ ہر چیز اللہ کی مشیت سے ہوتی ہے، اور جو کچھ ان سے صادر ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہی ہو رہا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دینا چاہتا تو کوئی گمراہ نہ ہوتا۔

حاصل یہ کہ مشیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان سے اختیار سلب کر لیا گیا ہے۔ آیت پر غور و تدبر سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ شروع آیت میں جبر یہ کا

رُو ہے اور آخر میں معتزلہ کی تردید ہے، کیونکہ صدرِ آیت میں بندہ کے لیے اختیار و قدرت کا ثبوت ہے جو نافرمانی کے بہانہ کو قطع کرنے کے لیے کافی ہے اور عجزِ آیت میں بتایا ہے کہ انسان کے تمام افعال مشیتِ الہیہ کے مطابق سرانجام پا رہے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ معتزلہ کے خلاف اہل سنت کا مسلک برحق ہے والحمد للہ رب العالمین۔

بعض نے آیت کی تاویل میں لکھا ہے کہ دراصل کفار یہ کہہ کر انبیاء کی دعوت کو رد کرنا چاہتے تھے کہ اللہ کی مشیت اور ارادہ یہ ہے کہ ہم شرک کو پس اور تم جو ہمیں ایمان کی دعوت دے رہے ہو یہ اللہ کی مشیت اور اس کی مراد کے خلاف ہے تو قرآن نے متعدد وجوہ سے ان کے اس زعم کی تردید کی اور فرمایا کہ اگر بات یہی ہے تو اللہ کے لیے حجت کاملہ ہے اور ”قَدْ نَشَأَ“ اس کا بیان ہے یعنی اگر اللہ چاہے تو تمہیں اور تمہارے مخالفین کو ایک دین پر جمع کر دے۔ پھر اگر بات مشیت کی ہے جیسا کہ تم گمان کرتے ہو تو اسلام لانا بھی مشیتِ الہی میں داخل ہے تو تمہیں چاہیے کہ تم مسلمانوں کو اسلام سے نہ روکو۔ جیسا کہ تمہارے خیال میں انبیاء علیہم السلام پر واجب ہے کہ لوگوں کو شرک سے نہ روکیں۔ لہذا تمہارے اور مسلمانوں کے مابین مخالفت اور دشمنی نہیں ہونا چاہیے بلکہ دوستی ہونا ضروری ہے۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ مشیتِ الہی کی رُو سے دوسرے مذاہب بھی حق ہیں لہذا متناقض ادیان کی تصحیح ضروری ہے۔

اور سورۃ نحل میں فرمایا:-

وَقَالَ الَّذِينَ أَتَوْا آلَ مُوسَىٰ أَتَوْا آلَ مُوسَىٰ
 اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ
 شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا
 حَرَمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ
 شَيْءٍ كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ
 مِنْ قَبْلِهِمْ قَالُوا عَلَى الرَّسُولِ

اور مشرک کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے بابا دادا اس کے سوا اور کسی کو نہ بوجھتے اور نہ ہم اللہ کے بغیر حرام کیے کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ ان سے پہلے جو کافر گذرے ہیں انہوں نے بھی ایسا ہی (حیلہ حوالہ) کیا اور پیغمبروں کے

إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ
ذمہ تو وحی کے احکام کو کھنڈ کر پہنچا دینا ہے۔ (الغزلہ ۳۵)

یہ آیت بھی پہلی آیت کے ہم معنی ہے اور جب انہیں کوئی دلیل نہیں ملتی تو مشیت کا سہارا لیتے ہیں۔ قرآن نے ان کی تردید کرتے ہوئے یہاں پر ان کے مجادلہ کو دوسرے طریق سے ختم کیا ہے۔

اسی طرح سورۃ زخرف میں فرمایا۔

وَجَعَلُوا أَمَلًا يَكْتُمُونَ
الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ
الْزَّالِمِينَ إِنَّا نَأْتِيهِمْ
شَهَادَاتُؤُنَا
خَلَقْنَاهُمْ سَتَكْتُبُ شَهَادَتَهُمْ
وَيُسْأَلُونَ، وَقَالُوا لَوْ شَاءَ
الزَّالِمُونَ مَا عَبَدْنَاهُمْ مَا لَهُمْ
بِعَذَابِكَ مِنْ عِلْمٍ، إِنْ هُمْ
إِلَّا يَخْرُصُونَ، أَمْ آتَيْنَاهُمْ
كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَمْ يَكُنْ مِنْهُمْ
مُسْتَمْسِكُونَ، بَلْ قَالُوا
إِنَّا وَجَدْنَاهُ آبَاءَنَا
عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ
آثَارِهِم مُّهُتَدُونَ،

اور ان کافروں نے فرشتوں کو جھوٹا لیا ہے
کے بندے ہیں عورت ذات ٹھہرایا ہے
کیا جس وقت یہ فرشتے پیدا ہوئے اس
وقت یہ موجود تھے ان کی شہادت لکھ لی
جائے گی اور قیامت کے دن ان سے
پرستش ہوگی اور یہ کافر کہتے ہیں، اگر
خدا چاہتا تو ہم فرشتوں کی عبادت نہ
کرتے۔ ان کو اس بات کا کوئی علم نہیں
ہے۔ وہ اور کچھ نہیں اُکلیں دوڑاتے
ہیں یا ہم نے قرآن سے پہلے ان کو کوئی
کتاب دی تھی کہ یہ اس کے ساتھ تمسک
کیے ہوئے ہیں نہیں بلکہ یہ کہتے ہیں ہم
نے اپنے باپ دادوں کو ایک دین پر
پایا اور ہم۔ انہی کے قدم بقدم ٹھیک
رہتے پر چل رہے ہیں۔

(الزخرف ۱۹-۲۲)

اور اس کے رد کے لیے وہی کافی ہے جس کی طرف کہ آیت رَحُلُ
فَلَيْهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ میں اشارہ پایا جاتا ہے اور مَا حَرَمْنَا سے مراد

ساتھ بھیرہ وغیرہ ہیں جو انہوں نے اپنی طرف سے حرام کر رکھے تھے۔ اور خاص طور پر شرک اور محرمات کی نفی ان کے جزو اعظم ہونے کی وجہ سے ہے اور اس سے ان کی غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور آپ کی رسالت پر طعن کرنا ہے۔ اس دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جو مشیت الہی ہو اس کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور جس سے مشیت کا تعلق نہ ہو وہ ممتنع ہوتی ہے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی تو ہم توحید پر قائم رہتے اور شرک نہ کرتے اور اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حلال سمجھتے اور کسی چیز کو اپنے پاس سے حرام نہ کرتے اور وہی کچھ ہوتا جو پیغمبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہہ رہے ہیں اور جب واقعہ اس کے خلاف ہے تو معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت نہیں ہے بلکہ مشیت وہ ہے جو ہم کر رہے ہیں، مطلب یہ کہ پیغمبر جو کچھ کہہ رہے ہیں اپنے پاس سے کہہ رہے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس نظریہ کی تردید کی اور فرمایا: **رَكَذًا لَّكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ** یعنی پہلی امتوں نے بھی یہی کچھ کیا اور کہا اور پیغمبروں کے ساتھ غلط بحثیں کرتے رہے تاکہ حق کو متزلزل کر دیں لیکن **(ذَهَبَ عَلَى السُّبُلِ إِذَا الْبَلَاءُ الْمُبِينُ)** پیغمبروں کا کام رسالہ کو پہنچا دینا ہے جو کہ طریق الہی کی موضع اور احکام وحی کی مظہر ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہدایت پانے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کا حتمی تعلق اسی کے ساتھ قائم ہوتا ہے جو حق کو حاصل کرنے کے لیے اپنی قدرت اور اختیار کو صرف کرے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا کہ جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستوں کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔

لیکن ہدایت کو ان پر ٹھونسنا اور اس پر خواہ مخواہ ان کو مجبور کر کے لگانا جیسا کہ مشرکین کے استدلال کا مقصد تھا تو یہ ہمارا وظیفہ نہیں ہے اور نہ ہی اس حکمت کا تقاضا ہے جس پر تکلیف موقوف ہے۔ حتیٰ کہ ہدایت کے آثار ظاہر نہ ہونے سے

انبیاء علیہم السلام کی حقانیت یا ہدایت کے ساتھ مشیت کا تعلق نہ ہونے پر استدلال کیا جاتے۔ کیونکہ جن افعال پر عقاب و ثواب مترتب ہوتا ہے ان کے وقوع کے ساتھ مشیت متعلق ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ افعال ان کے اختیار و ارادہ سے صادر ہوں۔ ورنہ تو ثواب و عقاب اضطراری ہونا لازم آئے گا۔

تفسیر روح المعانی وغیرہ میں اس آیت پر مفصل بحث پائی جاتی ہے۔ پس تقدیر کا انکار اور قضا و قدر سے اللہ تعالیٰ پر احتجاج اور تقدیر سے شریعت الہیہ کا معارضہ، یہ سب جاہلی گمراہیاں ہیں۔

مقصود یہ کہ جبر و تفویض نہیں ہے بلکہ حقیقت ان دونوں کے مابین ہے اور جو اس سے لغزش کش کھا گیا وہ جاہلیت کے راستہ پر چلا گیا اور جاہلیت کا راستہ ہی وہ راستہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے تردید کی ہے

(۳۶)

زمانہ کو گالی دینا

اہل جاہلیت موت و حیات کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے اور اس پر عیب لگاتے۔ جب کہ سورۃ الجاثیہ میں ہے۔
وَمَا يَنْهَكُنَا إِلَّا السَّهْوُ۔ اور زمانہ کی گردش ہمیں مار ڈالتی ہے۔

(الجاثیہ ۲۴)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان گمی گمراہی کے احکام کو بیان کیا ہے کہ ان کے کان، دل پر اللہ تعالیٰ نے مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اس بنا پر وہ کہہ رہے ہیں
وَمَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا ہماری تو یہی دنیا کی زندگی ہے دنیا ہی میں

نَمُوتُ وَنَحْيٰی وَمَا يُنْهٰیكَ نَا
اِنَّ السَّاهِرَ
مرتے ہیں اور یہیں جیتے رہتے ہیں اور زمانہ
کی گردش ہمیں بار ڈالتی ہے۔

یعنی جس دنیا میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اسی میں کچھ مرتے اور کچھ زندہ
ہوتے رہیں گے اور حشر و نشر وغیرہ نہیں ہے۔ بعض علمائے تفسیر نے لکھا ہے
کہ بہت سے بت پرست تناسخ کے قائل تھے اس لحاظ سے نوحی کے معنی
یہ ہوں گے کہ ہماری روح کو کسی دوسرے جسم میں منتقل کر دیا جاتا ہے اور
اپنی ہلاکت کو زمانہ کی گردش کی طرف نسبت کرنے سے ان کا مقصد یہ تھا
کہ یہاں کوئی موت کا فرشتہ نہیں ہے جو خدا کے حکم سے ہماری ارواح
قبض کرتا ہو اور وہ تمام حوادث کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے کیونکہ وہ ان
کے من عند اللہ مقدر ہونے سے جاہل اور بے خبر تھے اور زمانہ کے شکوئی سے
ان کے اشعار پُر ہیں اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کا اعتراف کرتے ہیں۔

۱۔ مثلاً ایک شاعر نے کہا ہے۔

اشباب الصغیر وَاَفْنٰی الْکَبِیْر
کَوَالِغِدَاثَ وَمِرَا لِعَثٰی
کہ صبح و شام کی آمد و رفت نے بچوں کو بوڑھا کر دیا اور بڑوں کو فنا کر ڈالا۔
اور دوسرے شاعر نے کہا ہے۔

مَنْعَ الْبَقَاءِ تَقْلِبِ الشَّمْسِ
وَطُلُوعِهَا مِنْ حِیْثُ لَا تَمْسٰی
کہ شمس کی آمد و رفت اور اس کے طلوع و غروب نے ہمارے بقاء کو ختم کر دیا ہے۔
ایک اور شاعر نے کہا :-

رَمَانِی الدَّهْرَ بِالْکَمَرِ اَزْ حَتٰی
فَوَادِی فِی فِشَاہِ مَنْ بِنَالِ
و کنت اذا اصابتنی سہام
تکسرت النصال علی النصال
زمانہ نے مجھ پر تیروں کی بارش کی حتیٰ کہ میرا دل تیروں کے پردہ میں چھپ گیا اور ہر جب
بھی مجھے تیر گئے تو ان کے پھل ایک دوسرے سے ٹکرا کر ٹوٹ جاتے۔

لہذا وہ دہریے نہیں ہیں کیونکہ وہ حوادث کو زمانہ کی طرف منسوب کرنے کے
 باوجود اس کے وجود کے قائل ہیں سبحانہ و تعالیٰ عما یقولون علواً کبیراً
 زمانہ کی مستقل تاثیر کے تو یہی قائل تھے اور زمانہ کو بُرا بھلا کہنے کی احادیث
 میں مذمت بھی آئی ہے صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے۔

یُوْذِیْنِیْ اَبْنُ اَدْرِیْقُوْلَ: کہ آدم کا بنیا زمانے کو بُرا بھلا کہہ کر مجھے
 یا خبیثۃ الدھر فلا یقل تکلیف دیتا ہے لہذا کوئی شخص یہ نہ کہے
 اَحدَ کَمرِ یا خبیثۃ الدھر فانی انا یا خبیثۃ الدھر زمانے کا بُرا ہوں کیونکہ میں
 الدھر اقلب لیلۃ و نہاراً ہی زمانہ ہوں اور میں ہی دن اور رات
 میں الٹ پھیر کرتا ہوں۔ (مسلم)

اور حاکم کی روایت میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

استقرضت عیدی فلم یقرضنی کہ میں نے اپنے بندہ سے قرض مانگا۔ لیکن
 وَ شَتَمَنیْ عیدی وَ هُوَ کَا اس نے قرض نہیں دیا اور میرے بندے نے
 بیداری یقول: وَا دھراہ! مجھے گالی دی اور وہ جانتا نہیں اور کہہ دیتا
 وَاَنَا الدھر۔ ہے افسوس زمانہ پر اور میں زمانہ ہوں۔
 امام بیہقی نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کَا تَسْبُو الدھر، قَالَ اللہ عز کہ زمانے کو بُرا بھلا مت کہو اللہ عز وجل
 وَ جَل اَنَا الْاِیَّامُ وَ الْاَلْیَّامُ نے فرمایا میں ہی دن اور رات ہوں ان
 اَجَد دھا و اَبْلِیھا وَ آتی کو لاتا ہوں اور ختم کرتا ہوں اور بادشاہوں
 بملوک بعد ملوک کے بعد دوسرا بادشاہ لے آتا ہوں

اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام حوادث اللہ عز وجل کے اختیار میں ہیں۔ لہذا
 جب انسان زمانہ کو اس کے فاعل ہونے کی حیثیت سے گالی دے گا تو یہ
 گالی درحقیقت اللہ تعالیٰ پر واقع ہوگی۔

وَمَا لَهُمْ بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ یعنی جو لوگ زندگی کو اس دنیا ہی میں محصور

کرتے ہیں اور ہلاک کرنے کی نسبت زمانہ کی طرف کرتے ہیں ان کے پاس عقل و نقل سے کوئی مستند علم نہیں ہے۔

﴿إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ﴾ یعنی ان کا منتہائے امر محض ظن و تقلید ہے اور کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس سے فی الجملہ صحت کے ساتھ تمسک کر سکیں۔ دہریوں کے متعلق ہم نے کسی دوسری کتاب میں مفصل بحث کی ہے۔ یہاں پر مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو جیوڑ کر حوادث کی نسبت زمانہ کی طرف کرتے ہیں ان کے پاس کوئی مستند عقلی یا نقلی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ محض جہالت سے ایسی باتیں کہتے ہیں اور ایسی بات کہنے والا جاہل مطلق ہے خواہ کسی دور میں ہو اور فی زمانہ اس باطل عقیدہ کے حامی بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔

واللہ المستعان

(۳۷)

اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو دوسروں کی کی طرف منسوب کرنا

اہل جاہلیت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے۔

چنانچہ سورۃ نمل میں ہے۔

يَعْرِفُونَ نِعْمَةَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا
وَأَكْثَرُهُمْ أَنفُسُونَ
یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں پھر جان بوجھ کر انکار کر دیتے ہیں اور ان میں اکثر ناشکرے ہیں۔

اور اسی سورۃ کی آیت ۷۸-۸۰ میں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنے انعامات

شمار کیے ہیں اور آخر میں فرمایا ہے:

وَجَعَلْ لَّكُمْ مِنَ الْعِجَالِ أَكْثَانًا
وَجَعَلْ لَّكُمْ سَرَابِیلَ تَقْبِیْكُمْ
اور تمہارے لیے پہاڑوں میں چوپ رہنے کیلئے غاریاں تراشے ہوئے مکان بنائے

الْعَزَّ وَ الشَّرَافُ يُقْبِلُ تَقْبِيلُكُمْ
بِأَسْكُمُ كَذَلِكَ يُتِمُّ
نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَسْلِمُونَ
فَإِنْ تَوَلَّوْا فَمَا
عَلَيْكَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ
يَعْرِضُونَ نِعْمَةَ اللَّهِ
لَهُمْ يَنْكِرُونَهَا وَكَثُرَهُمْ
الْكَافِرُونَ

اور تمہارے لیے کرتے بناتے جو تم کو
گرمی اور سردی سے بچاتے ہیں اور
کرتے جو تم کو لڑائی میں مار سے بچاتے
ہیں اور اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنا احسان
تم پر پورا کرتا ہے تاکہ تم اس کے تابعدار
بن کر رہو پھر اگر یہ لوگ اس پر بھی نہ
مانیں تو تیرے ذمہ کھول کر پہنچا دینا ہے یہ
لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں پھر
جان بوجھ کر ان کا انکار کر دیتے ہیں اور ان
میں اکثر ناشکرے ہیں۔

(۸۱ - ۸۳)

”يَعْرِضُونَ“ سے اس بات کا بیان شروع کیا ہے کہ مشرکین کی تولی اور ان کا
اسلام سے اعراض اللہ کی اس نعمت کے عدم عرفان کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ
یہ خوب جانتے ہیں کہ یہ تمام نعمتیں اللہ کی دی ہوئی ہیں لیکن اپنے کردار سے
ان کا انکار کر دیتے ہیں اور اپنے منعم حقیقی کی شکر گزاری اور عبادت نہیں کرتے
تو گویا انہوں نے سرے سے اللہ کی عبادت کی ہی نہیں اور یہ ناشکری بمنزلہ
انکار کے ہے۔ ابن جریر وغیرہ نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ ان کا انکار یہ تھا
کہ وہ کہتے: یہ نعمتیں ہمیں وراثت میں ملی ہیں اور نیز ابن جریر وغیرہ نے عون بن
عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: کسی کا یہ کہنا بھی ایک طرح سے انکار
ہے کہ اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو مجھ پر یہ اور یہ مصیبت آجاتی۔ اگر فلاں نہ ہوتا تو مجھے
یہ مصیبت نہ پہنچتی۔

ایک روایت میں ہے کہ نعمتوں کو ان کے اسباب کی طرف نسبت کرنا بھی
ایک طرح سے انکار ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مشرکین کو جب کوئی نعمت ملتی
تو کہتے: یہ ہمارے معبودوں کی سفارش کی وجہ سے ہے۔ تو یہ بھی ایک طرح سے

انکار ہے۔ بعض علما نے لکھا ہے کہ نعمت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی یہ لوگ معجزات کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا دل سے تو اقرار کرتے ہیں مگر بوجہ عناد و زبان سے انکار کر دیتے ہیں۔

رَدُّ الشُّكْرِ هُمْ لَا خَيْرَ دُنَّ، یعنی ان میں سے اکثر دل سے منکر ہیں اور زبان سے بھی اعتراف نہیں کرتے اور اکثر کی قید یا تو اس لیے ہے کہ بعض نقصان عقلی اور عدم احتیاء کے سبب حق کی معرفت سے ہی غاری تھے یا وہ ان اذکار میں غور نہیں کرتے تھے جن سے مطلوب حاصل ہو سکے۔

یا بعض ایسے تھے جو صغر سنی کی وجہ سے مکلف ہی نہ تھے اور یا اکثر کا لفظ بمنزلہ کل کے ہے لہذا معرفت و انکار جو اس پر متفرع ہوتا ہے وہ بمنزلہ اسناد حال البعض الى الكل کے قبیل سے ہے اسی معنی میں سورۃ الواقعہ میں فرمایا: اقْبِلْ هَذَا الْحَدِيثَ اَنْتُمْ مَذْهَبُونَ وَ تَجْعَلُونَ رِذْلَكُمْ اَشْكُمُ تَكْنِيْ بُوْن (الواقعہ ۸۱-۸۲) کیا تم لوگ اس کلام کا انکار کرتے ہو اور تم نے اس کا شکر یہ یہ ٹھہرایا ہے کہ اس کی نعمت کو چھٹلاتے ہو۔

یعنی تم بارش کی نعمت کو سناروں کی طرف منسوب کرتے ہو۔ صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بارش ہوتی تو آپ نے فرمایا:۔

أَصْبَحَ مِنَ النَّاسِ شَاكِرٌ وَمِنْهُمْ كَاْفِرٌ قَالُوا هَذَا رَحْمَةٌ وَضَعَهَا اللَّهُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لِقَدْ صَدَقَ نَوْرُ كَذَا۔ بعض لوگ شکر گزار ہیں اور بعض ناشکر ہیں شکر گزار تو کہتے ہیں یہ اللہ کی رحمت ہے۔ اور ناشکر کہہ رہے ہیں فلاں تارے نے سچ کر دکھایا۔

اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ إِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَلِيٍّ تَوْهِيْنُ تَارُوْنَ كَيْ دُوبِنَ كِي جَلَكِي قَسَمِ كَهَاتَا ہوں اور یہ قسم بہت بڑی ہے اگر تم جانو

تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ..... وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ
 أَنْتُمْ تُكْذِبُونَ۔۔۔۔۔۔ اور تم نے اپنا شکر یہ بٹھرایا ہے
 کہ اس کی نعمت کو جھٹلاتے ہو۔
 اس قسم کے دیگر آثار بھی ہیں۔ مقصد یہ کہ نعمتوں کو منعم حقیقی کے بغیر کسی
 اور کی طرف نسبت کیرنا کفران ہے۔ ہم نے انوار کے بارے میں اہل عرب کا مذہب
 کسی دوسرے مقام پر تفصیل سے ذکر کیا ہے اور وہ اشعار بھی ذکر کیے ہیں جو ان
 کے مذہب پر دال ہیں۔ (واللہ الموفق)

(۳۸)

آیاتِ الہی کے ساتھ کفر (نشاناتِ قدرت کی تکذیب)

اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کے عادی ہو چکے تھے قرآن نے ان لوگوں کو
 بار بار اللہ کے عذاب سے ڈرایا ہے اور ان کے بُرے انجام پر تنبیہ کی ہے۔
 سورۃ الکہف میں فرمایا:-

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ
 رَبِّهِمْ وَنِفَاقًا فَحَبَّطْنَاهُمْ
 فَلَا يَنْفَعُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
 وَنُفَا، ذَٰلِكَ جَزَاءُ هُمُ جَهَنَّمَ
 بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي
 رُسُلِي هُزُوًا۔

انہی لوگوں نے اپنے رب کی آیات کے
 ساتھ کفر کیا اور اس کی طائفات کو جھٹلایا تو
 ان کے نیک کام اُکارت ہو گئے قیامت
 کے دن ہم ان کے ٹول نہیں چڑھائیں گے
 یہ دوزخ کی سزا ان کو اس لیے ملے گی کہ انہوں
 نے کفر کیا اور ہماری آیتوں اور پیغمبروں
 کی مہنسی اُڑائی۔

ان آیات سے پہلے فرمایا:-

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ
أَعْمَالًا، الَّذِينَ هَلْ
سَعَوْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَهُمْ يَخْسِبُونَ أَنَّهُمْ
يُخْسِبُونَ مُنْعًا، أُولَئِكَ الَّذِينَ

(ا کہہ سے) کیا میں تم کو وہ لوگ بتاؤں جو
عمل کی راہ سے بہت گھائے میں پڑ گئے
یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری کوشش دنیا
کی زندگی میں اکارت ہوئی اور وہ سمجھتے
ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہ لوگ

(الکہف ۱۰۲-۱۰۴)

پس ”أُولَئِكَ“ جملہ متانفہ ہے جو اخسارین کی تعریف کی تکمیل، ان کے
خسران اور کوشش کے اکارت جانے کی تبیین و تفسیر کے لیے لایا گیا ہے
یہاں طور کہ مخاطبین پر تعریف منطبق ہو جاتے۔ یعنی یہی لوگ جن کی صفت بیان
کی گئی ہے وہ ہیں جو اپنے رب کی آیات کے ساتھ کفر کر رہے ہیں یعنی ان
دلائل توحید کا انکار کر رہے ہیں جو سمعی اور عقلی دونوں کو شامل ہیں۔

اور ”لِقَائِهِمْ“ کا لفظ لعن و حشر سے لے کر جملہ امور آخرت سے کنایہ
ہے۔ یعنی ان چیزوں پر ایمان نہیں رکھتے لہذا قیامت کے دن ہم ان کے
اعمال کو تول نہیں چڑھائیں گے۔ یعنی ان کو حقیر سمجھیں گے۔

بعض نصوص سے معلوم ہوتا ہے ان میں سے کچھ لوگ بعض بات
کا انکار کرتے تھے اور بعض لوگ کلیتہً ہی معرض و منکر تھے۔

اور فی زمانہ بعض لوگ تکذیب و کفر میں اہل جاہلیت سے بھی چاندنم
آگے نکل گئے ہیں۔

کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر باطل قسم کی کتابوں میں دلچسپی

اہل جاہلیت کی گمراہیوں میں سے ایک گمراہی یہ بھی تھی کہ وہ کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر آیات الہی کے ساتھ کفر کرتے اور باطل مواد پر پشت تل کتابوں کا مطالعہ اور ان کی اتباع اختیار کرتے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ میں یہودی کی اس روش کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَدْ أَشَرْنَا بِكَ آيَاتِ
بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا
الْفَاسِقُونَ، أَوَلَمْ
عَاهَدُوا نَبِيَّكُمْ
بِأَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ،
وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ
مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ
لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذُوا
فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ
أُوتُوا الْكِتَابَ

اور ہم نے تجھ پر کھلی آیتیں اتاریں۔ اور ان کے ساتھ وہی کفر کرتے ہیں جو منافقان ہیں کیا یہ یہودی ہر بار جب کوئی قول و قرار کرتے ہیں تو ایک فرقان میں کا اس قول و قرار کو رد کرتے ہیں بلکہ اکثر ان میں ایمان ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس ایک رسول آیا اس کتاب کو سچا بتاتا ہوا جو ان کے پاس ہے تو اہل کتاب

۱۔ ”کھلی آیتیں“ یعنی واضح نشانیاں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بین ثبوت ہے۔
۲۔ امام رازی رح کہتے ہیں کہ قرآن پاک کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ معجزات اس کے تحت آسکتے ہیں (اشرف الماشی)

کِتَابَ اللّٰهِ وَرَأَوْا ظُهُورَ هِمٍّ
كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ وَاتَّبِعُوا
مَا تَنَزَّلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ
سُبْحَانَ..... وَيَتَعَلَّمُونَ مَا
يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَ لَقَدْ
عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ
فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ وَ لَيْسَ
بِشَرِّ دَرَجَةٍ أَنفُسُهُمْ تُو كَانُوا
يَعْلَمُونَ، وَ لَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا
وَ اتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
خَيْرٌ تُو كَانُوا يَعْلَمُونَ

اور پرہیز کرتے اور ان کو سمجھ ہوتی تو اللہ کے پاس ثواب ملتا وہ بہتر تھا۔
”جو کوئی جادو خریدے“ یعنی کتاب اللہ کو چھوڑ کر جادو کا شغل اختیار کرے تو وہ
آخرت میں بے نصیب ہوگا۔

”وَلَيْسَ بِشَرِّ دَرَجَةٍ أَنفُسُهُمْ“ یعنی بخدا وہ چیز بہت بُری ہے جس کے
بدلہ میں انہوں نے نفسانی مخلوط کو خریدا اور اگر وہ پیغمبر یا اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ
آیات پر ایمان لائیں اور معاصی سے بچتے رہیں تو اللہ کا ثواب ان کے لیے
بہتر ہے۔

اسی معنی میں سورۃ البقرہ کی دوسری آیات میں فرمایا:

وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ
الْكِتَابَ إِذَا آمَنُوا وَ إِن هُمْ
إِذَا يَظُنُّونَ، قَوْلٌ تَلَسَّدِينَ
يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ

اور ان میں سے بعض اُن پڑھ میں جو اللہ
کی کتاب کو نہیں جانتے مگر آرزو میں اور
گمان ہی گمان رکھتے ہیں تو خرابی ہے اُن
کے لیے جو ایک کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے

ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لَيْسَ شَرْوَاهُمْ ثَمَنًا قَلِيلًا قَوْلُكَ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَذِيلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ

میں پھر کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے اتاری ہے ان کا مطلب یہ ہے اس کو بیچ کر بھوڑا مول کما میں ہائے خرابی ان کی اس لکھائی پر وائے خرابی ان کی اس کما فی پر۔

یہ آیات اجبارِ یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، جنہیں اندیشہ تھا کہ اگر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صفت کو توراۃ میں باقی رکھا گیا تو ہماری ریاست ختم ہو جائے گی اس لیے انہوں نے تبدیل کر دی۔

(۴۰)

اللہ کی حکمت میں جرح و قدح

اللہ تعالیٰ کی حکمت میں جرح و قدح بھی جاہلیت کی عادت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کے تحت اپنی مخلوق پیدا نہیں کی اور اس کے اوامر و نواہی بھی کسی حکمت پر مبنی نہیں ہیں۔ قرآن نے سورۃ صں میں ان کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے فرمایا :-

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا يَاسًّا ۚ ذَٰلِكَ ضَلُّوا

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو ان دونوں کے بیچ میں ہے بیکار نہیں بنایا یہ کافروں کا خیال ہے تو کافروں کی آگ سے خرابی ہونے والی ہے۔

(صں ۲۷)

اور سورۃ المؤمنون میں فرمایا :

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا ۚ وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۚ فَتَعَالَىٰ

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار بنایا ہے اور ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آؤ گے

(د) تمام عالم کی تدبیر اور قضا کا ابرام اور مملکت میں ہر قسم کے تصرفات کرے۔
 (رہ) ثواب و عقاب کرے۔ محسن کو اس کے احسان کا بدلہ دے اور بدکار کو اس کی
 برائی کی سزا دے۔ چنانچہ اس کے فضل و عدل کا اثر موجود اور مشاہد ہو اس پر
 حمد و شکر کی جائے۔

(و) اس کی مخلوق کو علم ہو جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور نہ اس
 کے سوا کوئی رب ہے۔
 (ز) سچے کی تصدیق کرے اور اس کی عزت ہو اور جھوٹے کی تکذیب ہو اور
 اُسے رسوا کرے۔

(ح) اس کے اسماء و صفات کے آثار اپنی کثرت اور تنوع کے ساتھ وجود ذہنی
 اور خارجی میں نمایاں ہو۔ جس سے اس کے بندوں کو واقع اور نفس الامر کے
 مطابق علم ہو جائے۔

(ط) اس کی تمام مخلوقات اس کے ایک پروردگار، فاطر اور بادشاہ ہونے کی شہادت
 دے اور یہ کہ وہ اکیلا ہی الہ اور معبود ہے۔

(ی) اللہ تعالیٰ کے کمال مقدس کا اثر ظاہر ہو کیونکہ خلق و صناعت دونوں اس
 کے کمال کے لوازمات سے ہیں، وہ ذات زندہ اور قدرت والی ہے اور جو
 ذات ان صفات کے ساتھ موصوف ہو وہ فاعل اور مختار ہوگی۔

(ک) اور یہ بھی ہے کہ اس کی حکمت کے آثار تمام مخلوقات میں ظاہر ہوں اور ہر
 چیز کو اس کے محل میں رکھا جائے اور اس طریقہ پر ہو کہ عقل و فطرت اس کے
 حسن اور حکمت باہرہ پر شاہد ہوں۔

(ل) اللہ کی ذات کو جو دو انعام، نعمت و عفو اور غفران و مسامحت عزت مند ہے اور
 خلق و شریعت کی رو سے اس کے لازم کا ہونا ضروری ہے۔

(م) اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی تعریف ہو اور اس کی مدح و تجید اور تسبیح و
 تعظیم بجالائی جائے۔

(ن) اس کی ربوبیت، وحدانیت اور الوہیت کے شواہد بکثرت ہوں۔
 علیٰ ہذا انقباس اس قسم کی اور بھی بہت سی حکمتیں ہیں جو مخلوق میں پائی
 جاتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو حق کے سبب اور حق
 کے لیے پیدا کیا ہے اور مخلوقات کی پیدائش حق کے ساتھ ملتبس ہے یہی نفہم
 حق ہے اور اس کا مصدر حق ہے اور اس کی غایت حق ہے وہ حق کو متضمن ہے
 اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کی تعریف کی ہے جو مخلوق کو بے مقصد پیدا
 کرنے سے اللہ تعالیٰ کو منترہ مانتے ہیں۔

چنانچہ سورۃ آل عمران میں فرمایا :-

إِنِّي خَلَقْتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
 وَاخْتَلَفْتُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ كَلِمَاتٍ
 لِّذِي الْاَلْبَابِ الَّذِي يَبْدُ كُرْدُونَ
 اَللّٰهُ قَيُّمًا وَتَعُوذًا وَّ عَلٰى جُنُودِهِمْ
 وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ
 السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا
 خَلَقْتَ هٰذَا اَبَاطِلًا سُبْحٰنَكَ
 فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ،
 (آل عمران)

بے شک آسمان اور زمین کی پیدائش اور
 رات دن کے آنے جانے میں قدرت
 کی نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے، جو
 اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور
 کروٹ پر لیٹے اور آسمان اور زمین کی
 پیدائش میں غور کرتے ہیں اور کہتے ہیں :
 مالک ہمارے! تو نے یہ کارخانہ بیکار نہیں
 بنایا تیری ذات پاک ہے تو بچا ہم کو
 دوزخ کے عذاب سے۔

اور فرمایا ایسا گمان اللہ کے دوستوں کا نہیں بلکہ اس کے دشمنوں کا ہے۔

چنانچہ فرمایا :-

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
 وَمَا بَيْنَهُمَا بَا طِلًا ذٰلِكَ خَطْبُ
 السَّيِّئِيْنَ كَفَرُوْا۔

کہ ہم نے آسمانوں اور زمین کا یہ نظام پونہی
 بے مقصد نہیں بنایا۔ یہ تو کافروں کا گمان
 ہے۔

اور یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ جو شخص خلق کے بے مقصد ہونے کا قائل ہے اور

کتاب ہے اس کے اوامر و نواہی بھی کسی حکمت کے تحت نہیں بلکہ خلق و امر کا یہ سارا نظام محض مشیت و قدرت سے بنا ہے نہ ان میں کوئی حکمت پنہاں ہے اور نہ کوئی غایت مطلوب ہے۔ دراصل اس قسم کے گمان سے حقیقتِ خدا کا انکار ہوتا ہے بلکہ خلق و امر کا پورا نظام حکمت و غایت پر مبنی ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی حمد و حکمت کی مظہر ہیں۔ لہذا حکمت الہی کا انکار دراصل حقیقتِ خلق و امر کا انکار ہے۔ بلکہ جسے یہ مفکرین ثابت کرتے ہیں اللہ کی ذات اس سے منزہ ہے یہ لوگ اس خلق و امر کو ثابت کرتے ہیں جس میں رحمت، مصلحت اور حکمت کو کچھ بھی دخل نہیں ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ ایسی چیز کا بھی حکم دے سکتا ہے جس میں مکلف کی کچھ بھی مصلحت نہ ہو اور ایک مصلحت آمیز کام سے منع کر سکتا ہے اور ان سب چیزوں کی نسبت اللہ کی طرف مساوی ہے۔ اور ان کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے ان کا حکم دے اور جن چیزوں کا حکم دیا ہے ان سے منع کر دے اور ان دونوں میں امر و نہی کے سوا کچھ بھی فرق نہیں ہے۔

اور ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی عذاب دے سکتا ہے جس نے ایک لمحہ بھی اللہ کی نافرمانی نہ کی ہو اور جس نے کفر و شرک اور ظلم و جور میں اپنی عمر صرف کی ہو اسے ثواب دے سکتا ہے۔

اور ہمارے پاس ان دونوں میں فرق کرنے کا ذریعہ محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ سب سے بڑا گمان ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کو منزه جاننا ظلم و جور سے تنزیہ کے مترادف ہے بلکہ اس قسم کا گمان عین ظلم ہے۔

لیکن نہایت تعجب ہے کہ اس نظریہ کے حامیوں میں اکثر وہ ہیں جو ان صفات کمال سے اللہ کو منزه مانتے ہیں جن کے ساتھ خود ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ان کے ماننے سے تجسیم و تشبیہ لازم آئے گی لیکن اس

ظلم و جور سے اللہ تعالیٰ کو منزہ نہیں مانتے بلکہ اسے عین عدل اور حق قرار دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کے بغیر توحید نام نہیں ہوتی۔ جیسا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش، علو، تکلم و تکلیم اور صفات کمال کا انکار نہ کیا جائے تو توحید نام نہیں ہوتی۔ حاصل یہ کہ ان لوگوں کے نزدیک اس قسم کی نفی اور اثبات کے بغیر توحید مکمل نہیں ہوتی۔

یہاں پر ہم نے حسب ضرورت شفاء العلیل سے یہ بحث نقل کی ہے۔ تفصیل کے لیے آپ اصل کتاب کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔
واللہ ولی التوفیق، والیہ المساب

(۴۱)

کلامکہ اور رسل کے ساتھ کفر اور ان میں تفریق

اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو کلامکہ اور رسل کے ساتھ کفر کرتے اور ان میں تفریق پیدا کرتے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ میں ان کے خیالات بیان کرتے ہوئے فرمایا:-

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ	اور الیمنہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور
الْكِتَابَ وَتَقَيَّنَا مِنْ بَعْدِهِ	اس کے بعد پیغمبروں کا ہم نے تار....
بِاسْرُسُلٍ وَآتَيْنَا عِيسَىٰ	باندھ دیا اور عیسیٰ ابن مریم کو کھلی
بَنَ مَرْيَمَ الْبِكْتَنَ وَأَيَّدْنَا	نشانیوں دیں اور روح القدس سے
يُذَوِّجُ الْقُدُسَ مِنْ أَنْكُمَا	سے اس کی مدد کی کیا پھر ہر بار جب
جَاءَ كُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا	کوئی رسول ایسا حکم لے کر آیا جس کو
تَهْفَوْنَ أَنْفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ	تمہارا جی نہ چاہتا تھا تو تم نے

اکڑ فون کی پھر بعضوں کو جھٹلایا اور بعضوں کو قتل کرتے رہے اور کہتے ہیں ہمارے دلوں پر خلافت چڑھا ہوا ہے، نہیں بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کر دی ہے تو بہت کم ان میں ایمان لاتے ہیں اور جب خدا کی طرف سے ایک کتاب ان کے پاس آئی جو سچا بتاتی ہے اس کتاب کو جو ان کے پاس تھی اور اس سے پہلے کافروں کے مقابلہ میں ان کی مدد مانگا کرتے تھے۔ چنانچہ جب وہ چیز آگئی جسے وہ پہچان چکے تھے تو لگے اس کا انکار کرنے، خدا کی لعنت کافروں پر اللہ کی کتاب کا انکار کر کے بُرے بدلے پر انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا وہ بھی اس ضد پر کہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے وحی اتارتا ہے اب انہوں نے غصے پر غصہ کیا اور کافروں کو ذلت کا عذاب ہو گا اور جب ان سے کہا جاتا ہے اللہ نے جو کچھ اتارا اس پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں ہم تو اسی پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر اترا اور اس کے سوا کو نہیں مانتے حالانکہ قرآن برحق ہے اور ان کی کتاب

فَقَرَّبْنَا كَذِبَتْهُمْ وَ فَسَّرْنَا نَقْتُلُونَ، وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ، وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ دَكَآؤُا مِنْ قَبْلِ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ، يَسْمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَن يَكُفِّرُوا بِمَا أَنْزَلَهُ اللَّهُ بَغْيًا أَنْ يَنْزِلَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَى غَضَبٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ، وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا إِنَّا نؤمن بما نُنزلُ عَيْنٌ وَيُكْفَرُونَ بِمَا دَرَأَهُ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ

اَنْبِيَاءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ
 اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ
 قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا
 لِجِبْرِیْلَ فَاِنَّهُ نَزَّلَهُ
 عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا
 لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى
 وَبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِيْنَ ، قُلْ
 مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ
 وَرُسُلِهِ وَجِبْرِیْلَ وَ
 مِیْكَائِلَ فَابَدَّ اللّٰهُ عَذْرَۃً
 لِّكَافِرِيْنَ ، وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اٰیٰتِ
 اٰیٰتِ بَيِّنٰتٍ وَ مَا يَكْفُرُ
 بِهَا اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ،

(البقرۃ)

کو سچا بتاتا ہے۔ ان سے کہدو اگر تم تورات پر ایمان لاتے تھے تو پھر کیوں اللہ کے پیغمبروں کو قتل کرتے رہے۔ آپ کہہ دیجئے جو کوئی جبریل کا دشمن ہو تو یہ اس کی بے وفائی ہے اس نے تو خدا کے حکم سے قرآن کو تیرے دل پر اتارا ہے وہ اگلی کتابوں کو سچا بتاتا ہے اور مومنین کے لیے سراسر ہدایت اور بشارت ہے جو شخص اللہ اس کے فرشتوں پیغمبروں اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو تو اللہ بھی کافروں کا دشمن ہے اور ہم نے تجھ پر کھلی آیتیں اتاریں اور ان کے ساتھ نافرمان ہی کفر کرتے ہیں۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ بعض اہل کتاب مانگے اور رسول کے ساتھ کفر کرتے اور رسولوں کے مابین تفریق کرتے یعنی بعض پر ایمان لاتے اور بعض کے ساتھ کفر کرتے اور یہ جاہلی یہود کا ایک گروہ تھا۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہم کو سب پر ایمان لانے کا حکم دیا اور تفریق سے منع فرمادیا۔

چنانچہ سورہ البقرہ میں ہے -

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ
 اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ
 كُلُّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلَائِكَتِهِ
 وَ كُتُبِهِ وَ رُسُلِهِ كَا نَفَقًا

پیغمبر ایمان لائے اس کتاب پر جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کی گئی اور مسلمان بھی سب ایمان لائے اللہ اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں

بَيْنَ أَهْدٍ مِّنْ ذُرِّيَّتِهِ
وَقَاتِلُوا سِغَاتًا
وَأَطَعُوا خُضْرًا نَّكَ
رَبَّنَا وَإِلَيْكَ
الْمَصِيرُ۔

(البقرة ۲۸۵)

جانا ہے۔

(۴۲)

انبیاء و رسل کی تعظیم میں غلو

اہل کتاب اپنے انبیاء و رسل کی تعظیم میں غلو کرتے چنانچہ سورۃ النساء میں فرمایا:۔
يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي
دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى
اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ إِنَّمَا
الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ
رَسُولُ اللَّهِ وَكَلَّمَتْهُ الْقَاهَا
إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ
فَآمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ
وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ
رَبُّنَا اللَّهُ إِلَهُ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ
أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ

(النساء ۱۷۱)

اور مخلوق کی تعظیم میں غلو کی وجہ ہی سے بتوں اور صالحین کی عبادت شروع ہوئی ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں نسر، سواع اور یغوث وغیرہم کی عبادت کی جاتی تھی اور اسی غلو کے سبب سے نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی عبادت شروع کی۔ اور اس قسم کی باتیں اللہ پر ناحق بات کہتا ہے۔

(۴۳)

بغیر علم کے جھگڑا کرنا

یہ بھی اہل کتاب کی عادت تھی کہ وہ بغیر علم کے جھگڑا کرتے جیسا کہ فی زمانہ جاہل لوگوں کو بدعات و منکرات سے منع کیا جاتے تو وہ اہل علم سے مجادلہ شروع کر دیتے ہیں۔ یہ ایک جاہلی عادت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں منع فرمایا ہے سورہ آل عمران میں ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَحَاجُّونَ فِي إِسْرَافِهِمْ وَمَا أُنْزِلَتْ الشُّرُوحُ إِلَّا لِتَعْقِلُونَ، أَمْ لَكُمْ هَذَا عِلْمٌ فَالِمَ تَحَاجُّونَ فِيهَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ، (آل عمران ۶۵-۶۶)

اے اہل کتاب ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ توراۃ اور انجیل دونوں حضرت ابراہیمؑ کے بعد اتریں تو پھر کیوں عقل سے کام نہیں لیتے۔ سنو! تم نے ان باتوں میں جھگڑا کیا جن کو کچھ نہ کچھ جانتے تھے اب ان باتوں میں کیوں جھگڑتے ہو جن کا تمہیں مطلق علم نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ابن اسحاق اور ابن جریر نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ بخران کے عیسائی اور یہودی علماء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے اور جھگڑا کرنے

لگے۔ علماء یہود نے کہا۔ حضرت ابراہیم یہودی تھے اور نصاریٰ نے نصرانی ہونے کا دعویٰ کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اناری جس میں ان کی جہالت و عناد کی تردید فرمائی ہے۔ جیسا کہ تفسیر جاننے والے پر مخفی نہیں ہے۔

(۴۴)

دین میں علم کے بغیر بات کرنا

شیخ الاسلام نے اس مسئلہ میں بھی دوسرے بہت سے مسائل کی طرح اجمال سے کام لیا ہے یہ مسئلہ اپنی اہمیت کے اعتبار سے تفصیل کا محتاج ہے۔ اہل بیت عرب اور اہل کتاب نے دین میں بہت سی ایسی چیزیں شروع کر رکھی تھیں، جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل نہیں تھی۔ عرب زیادہ تر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے دین پر چلنے کے دعوے دار تھے۔ حتیٰ کہ عمرو بن لُحی خراعی نے دین میں تغیر و تبدل کیا اور بہت سی بدعات کو رواج دے دیا اہل عرب کو بتوں کی پرستش پر آمادہ کیا اور بتوں کے نام پر بھگرو، ساتبہ اور حام جب انور چھوڑنے کی رسم ڈالی اور ازلام سے قسمت معلوم کرنے وغیرہ سنتیں جاری کیں جن کی تفصیل ہم نے کسی دوسرے مقام پر کی ہے۔ اگر آپ اہل عرب کی جاہلی رسم و رواج کو جاننا چاہتے ہیں تو سورۃ النعام کا مطالعہ کریں اس میں مشرکین عرب کی بہت سی گمراہیوں اور بدعات سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔

اب رہے یہود و نصاریٰ تو انہوں نے جاہلیت میں اپنے علماء و شائخ کو خدا بنا رکھا تھا اور مسیح ابن مریم کی پرستش کرتے تھے۔ ان کے علماء و شائخ نے دین میں بہت سی بدعات ایجاد کیں اور اپنی نفسانی خواہش سے حلال و حرام مقرر کیے۔ اہل کتاب نے ان کی تقلید کی اور ان چیزوں کو شریعت بنا لیا۔ حالانکہ دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے

تشریحی قوانین اور اس وحی کا نام ہے جو اس نے اپنے انبیاء و رسل کی طرف بھیجی اس میں لوگوں کی آراء و اہواء کو کچھ دخل نہیں بلکہ اس پر وہ چیز جس پر کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہ ہو وہ مرفود ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کے اسی کردار کی مذمت کی ہے چنانچہ سورہ آل عمران میں فرمایا:

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً مَثَلًا ۚ وَتَوَكَّلُوا عَلَىٰ مَا هُمْ بِبَاقِينَ ۚ
 اَلَمْ يَكُنْ لَهُ الْكِتَابُ الَّذِي يَتْلُونَهُ ۚ اَلَمْ يَكُنْ لَهُ الْكِتَابُ الَّذِي يَتْلُونَهُ ۚ
 اَلَمْ يَكُنْ لَهُ الْكِتَابُ الَّذِي يَتْلُونَهُ ۚ اَلَمْ يَكُنْ لَهُ الْكِتَابُ الَّذِي يَتْلُونَهُ ۚ
 اَلَمْ يَكُنْ لَهُ الْكِتَابُ الَّذِي يَتْلُونَهُ ۚ اَلَمْ يَكُنْ لَهُ الْكِتَابُ الَّذِي يَتْلُونَهُ ۚ
 اَلَمْ يَكُنْ لَهُ الْكِتَابُ الَّذِي يَتْلُونَهُ ۚ اَلَمْ يَكُنْ لَهُ الْكِتَابُ الَّذِي يَتْلُونَهُ ۚ

پاس سے نہیں اترا ہے اور جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ (آل عمران: ۷۸)

اس بنا پر جو لوگ بھی کتاب و سنت کی نصوص کی اپنی خواہش نفسانی سے تاویلات کر رہے ہیں وہ ان لوگوں میں داخل ہیں جو کتاب اللہ کو زبان مروڑ کر پڑھنے والے تھے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ فی زمانہ بھی فقہ کی کتابیں ایسی آراء پر مشتمل ہیں جو کتاب و سنت سے ماخوذ نہیں ہیں

(قَالَ اللَّهُ الْمُشْتَكِي مِنْ حُجُولَةِ الْبَاطِلِ وَحُجُولِ الْحَقِّ)

یوم آخرت کا انکار

مشرکین یوم آخرت کو جھٹلاتے اور پروردگار کی ملاقات اور حشر و نشر کا انکار کرتے اور اللہ کے رسول جنت و دوزخ کے جو صفات بیان کرتے ان کی تکذیب کرتے چنانچہ سورۃ الکہف میں ان کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا :-

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ
أَعْمَالًا أَتَذَرِينَّ مَنَّا سَحِيحُهُمْ
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ
أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا أُولَٰئِكَ
الَّذِينَ لَفَّضُوا يَا بَاتِ رَبِّهِمْ
وَلَقَاءَهُ (۱۰۴-۱۰۵)

کہدو میں تم کو وہ لوگ بتاؤں جو عمل کی راہ سے بہت گھٹائے میں پڑ گئے یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں دنیا کی زندگی میں اکارت ہوئیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں انہی لوگوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کی تھا کے ان کو جھٹلایا۔

ان آیات کی تفسیر پر ہم انہی صفات میں بحث کر چکے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں فرمایا

وَأَتَسْمُوا يَا لِلّٰهِ جَهَدَ آيْمَانِهِمْ
لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَن مِّنْ يِّمُوتُ
بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِمْ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ لِبَيِّنٍ لَهُمْ
الَّذِي يَخْتَصِمُونَ فِيهِ
وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ

اور ان کافروں نے اللہ کی قسمیں کھائیں زور کی قسمیں کہ جو کوئی مر جائے اللہ اس کو زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا کیوں نہیں سچا وعدہ ہے اس پر جس کو پورا کرنا ضروری ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ان کو زندہ کر کے اس لیے اٹھائے گا کہ جن باتوں میں

كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ۔ وہ اختلاف کرتے رہے ان پر حق نا حق
 کھول دے اور اس لیے کہ یہ کافر یہ جہان
 (الغزل : ۳۸-۳۹) میں کر وہ جھوٹے تھے۔

علاوہ انہیں اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس موضوع میں وارد ہوئی ہیں۔
 فی زمانہ بھی بہت سے لوگ اس جاہلی عقیدہ سے بہرہ یاب ہیں اور وہ انکار و تاویل
 سے آخرت اور جزا و سزا کی تکذیب کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جن کو گمراہ کر دے انہیں
 کوئی ہدایت پر نہیں لاسکتا۔ ایسے لوگوں کو اللہ گمراہی میں حیران و پریشان چھوڑ
 دیتا ہے۔ اللہ ہی سے ہم ہدایت کی توفیق مانگتے ہیں۔

(۴۶)

آیت ”مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ“ کی تکذیب

وہ آیت کریمہ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ کی تکذیب کرتے اور اس دن کا
 انکار کرتے جس روز کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔
 اگر ان کے اعمال نیک ہیں تو ثواب ملے گا اور معاصی و سیئات پر عذاب
 کرے گا۔ اس دن کی تکذیب دراصل لعین و حساب اور محبت و دوزخ
 کی تکذیب پر متفرع ہوتی ہے۔

آیت کریمہ

لَا يَبِيعُ فِيهِ وَلَا خِلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ

اہل جاہلیت آیت کریمہ یا ایہا الذین امنوا انفقوا مما رَزَقْکُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاتِیَ یَوْمٌ لَا یَبِیْعُ فِیْهِ وَلَا خِلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَ الْکَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ میں لَا یَبِیْعُ فِیْهِ وَلَا خِلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ کا انکار کرتے خِلۃ کے معنی موت و صداقت کے ہیں اور لَا شَفَاعَةَ کے معنی ہیں کہ کوئی کسی کی شفاعت نہیں کرے گا مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اجازت دے اور اس پر راضی ہو جائے۔ اس سے مراد قیامت کا دن ہے اور ان چیزوں کی نفی سے مقصد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی وسیلہ سے بھی فائدہ نہ اٹھا سکے گا۔ نہ تو بیع کے ذریعہ اور نہ ہی دوستوں کی دوستی سے اور نہ ہی کسی کی شفاعت سے مستفید ہو سکے گا اور اللہ ہی مستعان ہے۔

شفاعت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی

سورۃ زخرف میں فرمایا:

وَلَا یَمْلِکُ الذِّیْنِ یَدْعُوْنَ مِنْ دُونِہِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا

اور یہ کہ فرخدا کے سوا جن دیوتاؤں کو پکارتے ہیں وہ تو ان کی سفارش بھی

مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْصُونَ،
نہیں کر سکتے البتہ جنہوں نے حق بات
کی یقین رکھ کر گواہی دی روہ سفارش

(الزخرف آیت: ۸۶) کر سکتے ہیں)

یعنی جن معبودوں کو یہ اللہ کے سوا پکار رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ قیامت کے
دن ان کی شفاعت کریں گے تو ان کا یہ فہم سراسر غلط ہے ہاں جو لوگ حق
یعنی توحید کی شہادت دیتے اور اس پر یقین رکھتے ہیں وہ شفاعت کر سکیں
گے۔ ان سے مراد فرشتے، حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور ان کے مثل لوگ
ہیں۔

فی زمانہ لوگوں کو دیکھیے کہ اپنے بتوں کے گرد بیٹھے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ
کو چھوڑ کر ان کو پکارتے رہتے ہیں اور جب ان کو روکا جائے تو کہتے ہیں کہ
یہ لوگ عند اللہ ہماری شفاعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے
بلند ہے۔

(۲۹)

اولیاء اللہ کو قتل کرنا

مخالفین اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور ان لوگوں کو قتل کر ڈالنے جو ان کو عدل و
انصاف کا حکم دیتے۔

سورۃ البقرہ میں ہے:-

وَضُرِيتْ عَلَيْهِمُ الْمَوَلَّةُ وَ
الْمُسْكَنَةُ وَ بَاوُوا بِعَصَبِ
اللَّهِ، ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا
يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ
اور ان پر ذلت و مسکنت مار دی گئی اور
لوٹے وہ اللہ کا غصہ لے کر کیونکہ وہ
اللہ کے حکموں کو نہیں مانتے تھے اور
انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے اس کے

علاوہ وہ نافرمان تھے اور حد سے زیادہ
بڑھ بڑھ جاتے تھے

النَّبِيِّينَ يَغْيِرُ الْخَلْقَ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا
وَكَانُوا يَعْتَدُونَ (البقرہ: ۶۱)

اور سورہ آل عمران میں فرمایا:

قُلْ تَدْعُوا جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِي
بِالْبَيِّنَاتِ قَدْ يَأْتِيَنِي الْخُلُوفُ فَلَيْسَ
بِقَتْلِهِمْ هُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ

(آل عمران ۱۸۳)

تم کہہ دو کہ مجھ سے پہلے تو کسی پیغمبر کھلی
نشانیوں اور یہ نشانی بھی جو تم نے کہی
لے کر آئے پھر اگر تم سچے تھے تو ان
کو کیوں مار ڈالا۔

اور اس معنی میں اور بھی بہت آیات ہیں جن میں تصریح کی گئی ہے کہ انبیاء و
رسل اور ان کے مخلص متبعین اور دعاۃ حق کو اس راہ میں کیا کیا صعوبتیں پیش آئیں
اور انہوں نے اللہ کے دشمنوں اور سرکش جنہاد سے جو مصیبتیں برداشت کیں ان
کو دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ناصیبہ کے بال سفید ہو جاتے ہیں۔
یہ امت محمدیہ کے اکابر اور علماء اعلام ہیں جنہوں نے دعوت حق اور اس کی
محافظت میں اس قدر آلام و شدائد برداشت کیے کہ ان کے بیان سے کاغذ کا
چہرہ سیاہ ہو جاتے اور سیاہی کے بال سفید ہو جاتیں اور انبیاء کرام اور ان
کے مخلص متبعین کو ابتداء سے دعوت میں مصائب میں مبتلا ہوتے رہے مگر انجام
کار ان کے ہاتھ میں رہا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام
کے قصہ میں بیان کیا۔

۱۔ خود اس کے مصنف شیخ الاسلام نے جب دعوت حق کا آغاز کیا اور انبیاء کی ہادی
توحید لوگوں کے سامنے بیان کی تو انہوں نے اپنے اپنا نئے زمانہ سے جو مصائب و سخت
کیئے وہ کسی طور بھی ان مصائب سے کم نہ تھے جو دور جاہلیت میں دعاۃ حق کو پیش
آئے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام کی سیرت کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔ تعذہ اللہ برحمۃ
وغفرانہ آمین۔

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا
إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ
وَكَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا
مَا صَبَرُوا إِلَّا عَاقِبَةً لِّلْمُتَّقِينَ،
(ہود ۴۹)

یہ غیب کی خبریں ہیں جن کو ہم وحی کے
ذریعہ تجھ کو بھیجتے ہیں ورنہ اس سے
پہلے نہ تو ان کو جانتا تھا اور نہ تیری قوم
والے تو آپ صبر کیجیے بیشک جو پرہیزگار
ہیں انہی کا انجام اچھا ہوتا ہے۔

اور حدیث میں ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے ملک روم کے پاس اپنا ایلی بھیجا اور اس نے ایسے آدمیوں کی تلاش
شروع کی جو آپ کی سیرت مبارکہ کے متعلق صحیح طور پر خبر دیں تو ابوسفیان اور
ان کے مشرک ساتھی اس کے پاس لائے گئے تو اس نے سوال کیا:
”تمہارے اور اس کے درمیان جنگ کی رفتار کیا ہے؟“

ابوسفیان نے جواب دیا:-
”ہمارے درمیان جنگ برابر کی رہتی ہے کبھی ہم غالب ہوتے ہیں اور
وہ مغلوب کبھی وہ غالب رہتے ہیں اور ہم مغلوب ہو جاتے ہیں۔“
اس پر ہرقل نے کہا:

”اسی طرح پیغمبر مبتدار رہتے ہیں لیکن بالآخر فتح ان کی ہوتی ہے۔“
چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی مدد کی اس کے
بعد جنگ احد میں مسلمانوں پر مصیبت آگئی پھر اس کے بعد کسی جنگ میں بھی کفار کو
فتح حاصل نہیں ہوئی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا۔

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض انبیاء قتل ہوئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے
سابقہ آیات میں خبر دی ہے کہ بنی اسرائیل انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کر ڈالتے
تھے اور فاسق و فاجر لوگوں کو اللہ تعالیٰ اُتار دے دیتا ہے اور متدین لوگوں پر وہ
مسلط ہو جاتے ہیں جیسا کہ نخت نصر کو بنی اسرائیل پر مسلط کر دیا گیا اور جب کہ
کفار مشرکین اور اہل کتاب کو مسلمانوں پر تسلط حاصل ہوتا رہا ہے تو پھر والعاقبت

للتقین کا مفہوم کیا ہو سکتا ہے

اس کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ انبیاء کا قتل ہونا تو ایسے ہی ہے جیسے
مومنین جہاد میں شہید ہوتے رہے ہیں۔ سورہ آل عمران میں ہے۔

وَكَايْنٍ مِّنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ إِذْ قَاتَلَ مَعَهُ
رَبِّيْزُونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَرُوا إِنَّمَا
أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا
ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ
يُحِبُّ الصَّابِرِينَ وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ
إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا
ذُنُوبَنَا وَارْحَمْنَا فِي أَمْرِنَا ذَا
نَبْتٍ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى
الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ قَاتَا هُمَا اللَّهُ ثَوَابَ
الدُّنْيَا وَحَسَنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ
يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ

آل عمران ۱۶۴-۱۶۵

اور یہ حقیقت مسلم ہے کہ جو مومنین جنگ میں شہید ہوئے وہ ان لوگوں سے
بہتر ہیں جو اپنی طبعی موت مرتے ہیں۔ قرآن میں ہے

ذَكَرًا تَحْسِبُكَ الدِّينَ قَاتِلُوا فِي
سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ
عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ

آل عمران ۱۶۹

اس بنا پر سورہ توبہ میں فرمایا ہے۔

قُلْ هَلْ تَرَوْنَ بَنِي إِسْرَءِيلَ إِذْ قَاتَلُوا
مَعَهُمْ يَوْمَ بَنِي إِسْرَءِيلَ

الْحُسَنَيْنِ - سے کسی ایک کے سوا اور کسی بات کا
انتظار نہیں کر سکتے۔ (الذوبہ ۵۲)

یعنی فتح و نصرت اور یا شہادت اور حبس، پھر وہ دین جس کی حمایت میں شہداء
نے لڑائی کی غالب ہوگا تو اس کے حامیوں کو دنیا و آخرت میں سعادت حاصل ہو
گی جو مقتول ہو گئے انہوں نے شہادت کا مرتبہ حاصل کر لیا اور جو زندہ رہے
وہ غالب اور سعادت مند رہے اور یہ آخری کامیابی ہے۔ کیونکہ مرنا تو ہر ایک نے
ہے لہذا ایسی موت جس سے دنیا و آخرت کی سعادت حاصل ہو وہ اکمل اور اعلیٰ ہے
بخلاف ان لوگوں کے جو مرتد جاتے ہیں اور نہ وہ اپنا مقصد دنیا میں حاصل کر سکتے ہیں اور
نہ آخرت میں، لیکن مسلمان شہداء نے اپنے اختیار سے جنگ کی اور انہوں نے
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے کام کیے جن کی وجہ سے شہید کر دیئے گئے
گویا انہوں نے اس موت کو پسند کیا یا تو بلا واسطہ شہادت حاصل کی اور یا ایسے
کام کیے جن کی وجہ سے شہید کر دیئے گئے یہ جانتے ہوئے کہ انہیں آخرت میں
سعادت حاصل ہوگی اور دنیا میں ان کے گروہ کو غلبہ حاصل ہوگا اور ان کے لیے
دُعا اور تعریف کی صورت میں ان کا نیک تذکرہ ہمیشہ باقی رہے گا۔

اس کے برعکس جو کفار ہلاک ہو جاتے ہیں وہ نہ تو اپنے اختیار سے ہلاک
ہوتے ہیں اور نہ ہی انہیں سعادت اخروی کی امید ہوتی اور پھر نہ ہی ان کو اور
ان کی جماعت کو دنیوی سعادت حاصل ہوتی ہے بلکہ دنیا میں ان پر لعنت ہوتی
رہتی ہے اور قیامت کے دن وہ نہایت بد حال لوگوں میں شامل ہوں گے۔
چنانچہ سورۃ الدخان میں ان کے متعلق مذکور ہے۔

کَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَاتٍ وَعُيُونٍ
وَمَرْوٍءٍ وَصَفَاٍمٍ كَرِيمٍ وَنُعْمَةٍ
كَانُوا فِيهَا فَالِكَيْفَ بِنَ، كَذَلِكَ
وَأَوْسَنَّا هَا قَوْمًا آخِرِينَ :
یہ لوگ کتنے ہی باغ اور چشمے اور عمدہ مکانات اور آرام کے سامان
جن میں مزے اڑاتے تھے چھوڑ کر
اس طرح ہم نے ان کو نکال کر دوسرے لوگوں

کو بلند اور آپ کے متبعین کو مخالفین پر غالب کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مومنوں کے لیے سعادت حاصل ہو اور مخالفین شقاوت سے دوچار ہوں اس سے آنحضرت کی نبوت کی صداقت ظاہر ہوتی ہے اور یہ کہ آپ کا متبع سعادت مند اور مخالف شقی اور بد بخت رہے گا۔

اور بخت نصر کا بنی اسرائیل پر غلبہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی دلیل تھا کیونکہ بخت نصر کو یہ غلبہ اس وقت حاصل ہوا جب انہوں نے حضرت موسیٰ کے مہمود و وصایا کو تبدیل کر دیا اور ان کی اتباع سے نکل گئے۔ ورنہ جب تک وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مہمود پر قائم رہے وہ مؤید و منصور رہے۔ جیسا کہ حضرت سلیمان اور داؤد وغیرہما کے زمانہ کی تاریخ اس پر گواہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء میں بنی اسرائیل کی اسی تاریخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے :

وَقَصَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآئِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا، فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ آدَمَ بَنَّا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُومًا، ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَا كُمْ أَكْثَرًا نَفِيرًا، إِنَّ أَحْسَنَكُمْ أَحْسَنْتُمْ بِرَأْسِكُمْ وَإِنْ أَسَاؤُكُمْ

اور ہم نے بنی اسرائیل سے صاف کہ دیا تھا کہ تم دوبار ملک میں فساد مچاؤ گے اور دونوں مرتبہ بہت علو حاصل کرو گے پھر جب پہلے فساد کا وقت آ پہنچا تو ہم نے اپنے بندوں کو جو بہت بہادور جنگجو تھے تم پر بھیج دیا وہ تمہارے شہروں کے پنج میں پھیل گئے اور یہ وعدہ پورا ہونے والا تھا۔ پھر ہم نے تم کو ان پر غلبہ دیا۔ اور ہم نے مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی اور تم طاقت ور ہو گئے اور تمہارا جنتا بڑھا دیا اگر تم اچھا کرو گے تو اپنے لیے اچھا کرو گے (یعنی تمہارا ہی بھلا ہوگا)۔

قَدْ هَمَّا نَادَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ
 لِيَسْئُرُوا وُجُوهَكُمْ وَيُنَادُوا
 الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ
 مَرَّةٍ وَلِيُتَبَرَّوْا مَا عَمَلُوا
 تَتَّبِعُوا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ
 يَرْحَمَكُمْ وَإِنْ عُدْتُمْ
 عُدْنَا (بنی اسرائیل ۴-۸)

پھر جب دوسرے وعدے کی سزا کا وقت
 آپہنچا تو پھر دوسرے بندے تم پر بھیج دیجیے
 تاکہ مار مار کر تمہارا منہ بگاڑ دیں اور پہلی بار کی
 طرح پھر مسجد میں گھس جائیں اور جس چیز پر قابو
 پائیں اُسے برباد کر دیں اگر تم توبہ کرو تو اللہ کی
 مہربانی کی امید رکھو اور اگر تم پھر ویسی شرارتیں
 کرو گے تو ہم پھر وہی عذاب کر دیں گے۔

الغرض کبھی بنی اسرائیل کا دشمن پر غالب آنا اور کبھی دشمن کا بنی اسرائیل
 پر غالب آنا حضرت موسیٰ کی صداقت کے دلائل اور معجزات سے تھا۔ اسی طرح امت
 محمدیہ کا کبھی اپنے دشمن پر غالب اور کبھی مغلوب ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
 رسالت کے دلائل اور اعلام نبوت سے ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت
 موسیٰ اور ان کی قوم کو ان کی زندگی اور موت کے بعد بھی غلبہ دیا۔ جیسا کہ حضرت
 یوشع وغیرہ کے زمانہ میں ہوا تو یہ بھی حضرت موسیٰ کے دلائل نبوت سے تھا۔ اسی
 طرح مومنوں کا آنحضرتؐ کی معیت میں غالب آنا اور آپؐ کی موت کے بعد آپؐ کے
 خلفاء کی معیت میں غالب رہنا یہ آنحضرتؐ کی نبوت کے دلائل و اعلام سے ہے
 لیکن کفار کا کبھی اہل کتاب پر غالب آجانا ان کی صداقت کی دلیل نہیں بن سکتا۔
 کیونکہ ان کا کمانڈر کسی نبی کی طرف منسوب نہیں ہوتا اور نہ وہ انبیاء کے متبعین سے
 کسی دین پر جنگ کرتے ہیں اور نہ ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ان کے تابع ہو
 جائیں۔ بلکہ بعض اوقات بر ملا کہتے ہیں کہ ہم تمہارے گناہ کی وجہ سے تم پر غالب
 آئے ہیں اگر تم اپنے دین کی اتباع کرتے تو ہم کبھی غالب نہ آ سکتے تھے اور پھر
 انجام کار بھی ان کے ہاتھ میں ہوا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ایک ظالم کو دوسرے ظالم
 سے ٹکرا کر ہلاک کر دیتا ہے پھر دوسرے ظالموں کو بھی تباہ کر دیتا ہے اور ان کو
 قتل کی وجہ سے موت کے بعد کوئی سعادت بھی نصیب نہیں ہوتی اور نہ وہ

سعادت حاصل کرنے کے لیے قتل ہونے کو پسند کرتے ہیں۔ الغرض اس قسم کے واقعات سے انبیاء اور ان کے متبعین کے غلبہ اور کفار کے مومنین پر غلبہ یا ان کے باہم ایک دوسرے پر غلبہ کے مابین امتیاز ہو جاتا ہے اور یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کا اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) پر غلبہ ان کے مشرکین پر غلبہ کی جنس سے ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے اعلام و دلائل سے ہے۔ اور یہ بخت نصر کے بنی اسرائیل یا کفار کے مومنین پر غلبہ کے قبیل سے نہیں ہے۔

اس آیت میں حضرت موسیٰ نے خبر دی ہے اور بتایا ہے کہ جھوٹا نبی اپنے مشن میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا بلکہ کامیابی صرف سچے نبی کو حاصل ہوتی ہے۔ لہذا بعض اہل کتاب جو کہا کرتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی امت ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہم پر مستط کر دی گئی ہے ورنہ ہمارا دین سچا ہے۔ جیسا کہ بخت نصر اور دوسرے بادشاہ ہم پر مستط کر دیتے گئے۔ تو یہ قیاس و قیاس فاسد ہے۔ کیونکہ بخت نصر نے نہ کبھی نبوت کا دعویٰ کیا اور نہ اس نے کسی دین کے لیے جنگ کی اور نہ ہی بنی اسرائیل سے یہ مطالبہ کیا کہ تم موسیٰ کی شریعت کو چھوڑ کر میری شریعت اختیار کر لو لہذا اس کے غالب ہونے میں نہ تو کسی دعویٰ نبوت کا اتمام ہے اور نہ کسی دین کی طرف دعوت ہے۔ بلکہ اس کی مثال ایک لیٹر سے اور ڈاکو کی ہے جو قافلوں پر غالب آ کر ان کو لوٹ لیتا ہے بخلاف اس شخص کے جو نبوت کا دعویٰ کرے اور ایک مستقل دین کی طرف دعوت دے اور اپنے ساتھیوں سے دنیا و آخرت کی سعادت کا وعدہ کرے اور مخالفین کو دنیا و آخرت کی شقاوت کی دھمکی دے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اُسے غلبہ دے دے اور اس کے دین کو کامل اور بلند کر دے انجام کار اس کے ہاتھ میں ہو اور اس کے مخالفین ذلیل ہو جائیں یہ اس خرق عادت کی قسم سے ہے جو دعویٰ نبوت کے ساتھ مقترن ہے لہذا یہ معجزہ ہو گا لہذا اس خرق عادت کے قبیل سے نہیں ہے جو دعویٰ نبوت کے ساتھ مقترن ہو۔ لہذا وہ دلیل صدق نہیں بن سکتا۔

ویسے تو بیت سی قریب سمندروں میں غرق ہو چکی ہیں لہذا غرق ہونا کسی نبی کی نبوت کی دلیل نہیں بن سکتا۔ مگر فرعون اور اس کی قوم کا غرق ہونا حضرت موسیٰ کی صداقت کا یقین نشان ہے اور یہ حضرت موسیٰ کی خبر کے موافق بھی ہے، کہ کاذب کامیاب نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور کسی کاذب کا کذب ظاہر کیے بغیر اس کی تائید اس کی شان کے لائق نہیں

اس بنا پر دجال کا فتنہ سب سے بڑا ہو گا کیونکہ اس کے دعویٰ الوہیت کے ساتھ بعض خوارق بھی ہوں گے۔ مگر وہاں پر کچھ ایسی چیزیں بھی ہوں گی جو اس کے کذب کو ظاہر کر رہی ہوں گی۔ مثلاً اس کا دعویٰ الوہیت، حالانکہ وہ امور ہو گا اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس عیب سے پاک ہے۔ پھر اس کی آنکھوں کے درمیان کافر رک فرما لکھا ہو گا جسے ہر مومن جاہل بھی پڑھ لے گا۔ کوئی شخص اپنی قوت سے اللہ تعالیٰ کو عیاں نہیں دیکھ سکتا۔ تین علامات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح احادیث میں ذکر کی ہیں۔ سادہ یہ کہی نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی کسی کاذب کو اپنی تائید سے نوازتا رہے اور اس کے دعویٰ کو غالب کرتا رہے۔ پھر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی سنت و عادت سے استدلال کرتے ہیں تو یہ بھی اس کی حکمت سے ہوا ہے اور حکمت الہی میں تناقض نہیں ہو سکتا۔

قرآن میں ہے :-

وَكُنتُمْ أَتَيْنَكُمُ الْيَتِيمَ كَفَرُوا
لَوْ كُنَّا إِلَّا ذُبَابًا شَرًّا
يَجْعَلُ ذُوْنٌ وَلِيًّا وَكَانَ يُصْنِئُ
سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلُ، وَلَنْ تَجْعَلَ
لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا،

اور اگر کافر حدیبیہ میں تم سے صلح نہ کرتے بلکہ لڑائی کرتے تو شکست کھا کر ہواگ جاتے۔ اس کے بعد نہ ان کا کوئی حامی ہوتا اور نہ مددگار۔ اللہ کا یہی قانون تم سے پہلے ہوتا چلا آیا ہے یعنی ہمیشہ حق والوں کا ہی غلبہ ہوتا ہے اور تو اللہ کا قانون بدلتا ہوا نہیں دیکھے گا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ مومنین کے کفار پر غلبہ کی سنت کبھی تبدیل نہیں ہوتی اور جو ایمان اس نصرت کو مستندم ہے وہ اللہ تعالیٰ، اور اس کے رسول کی طاعت کو متفہم ہے۔ اگر معاصی کی وجہ سے ایمان میں نقص ہو گا تو نصرت بھی اس کے مطابق ہوگی۔ جیسا کہ جنگ اُحد میں یہ صورت پیش آئی۔ اور قرآن میں ہے:-

وَأَسْمَاءُ بِأَمْرِ اللَّهِ جَعِدْنَا إِيْمَانَهُمْ
لَثَلْنِ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ
أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأَمْمَةِ
فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ
إِلَّا تَقْوَمًا وَارِثًا اسْتَكْبَارًا
وَالْكَافِرِينَ وَالْمُكَذِّبِينَ وَالْكَافِرِينَ
يَعِزُّنَ الْمَكْرَ السَّيِّئَ إِلَّا
بِأَهْلِهِ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا
سُنَّةَ الْأَوَّلِينَ ، فَكُنْ
تَحِيَّةً لِلنَّبِيِّ تَبْدِيلًا ، فَكُنْ
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ
تَحْوِيلًا ،

اور یہ پیغمبر کے آنے سے پہلے بڑے زور کی قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آئے گا تو وہ کوئی سی بھی امت ہو اس سے بڑھ چڑھ کر سیدھی راہ پر چلیں گے۔ پھر جب ڈرانے والا ان کے پاس آں پہنچا تو اور نصرت ان کی بڑھ گئی لگے زمین میں شیخی مارنے اور بُرے بُرے فریب کرنے اور بُرا فریب، بُرا فریب کرنے والوں پر لوٹ جاتا ہے۔ پھر وہ اسی بڑاؤ کے منتظر ہیں جو اگے کافروں کے ساتھ ہوتا رہا ہے تو اسے پیغمبر اللہ تعالیٰ کا بڑاؤ بدلنا ہوا نہ پائے گا اور نہ اللہ کی سنت کو ٹٹا ہوا پائے گا۔

(قاطع: ۴۲، ۴۳)

ان آیات میں بتایا کہ کفار پہلے لوگوں کی سنت پر نظر رکھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی سنت نہ تو تبدیل ہو سکتی ہے کہ اس کی کوئی دوسری سنت آجائے اور نہ ہی اُسے پھیرا جاسکتا ہے تو پھر یہ کفار مومنین پر کیسے غالب ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح منافقین کے متعلق فرمایا یعنی جو بظاہر مسلمان، لیکن اندر سے کافر ہیں یا ان میں نفاق کا کوئی شعبہ پایا جاتا ہے۔

اگر یہ منافق اور جن کے دلوں میں کھوٹ ہے اور جھوٹی خبریں مدینے میں اڑانے والے اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے تو ہم تم کو ان کے پیچھے لگا دیں گے پھر وہ مدینہ میں تمہارے پاس ٹھہرنے نہ پائیں گے مگر چند روز.....

لَمَّا تَمَّ يَنْتَوِ الْمُنَافِقُونَ
وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ
وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ
لَنُغْوِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا
يُجَادِرُوكَ وَنَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا

ہر طرف سے ان پر پھسکار برسے گی۔ جہاں ملیں گے پکڑ لیے جائیں گے اور مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان میں خدا کی سنت یہی رہی ہے اور خدا کی چال کو تو بدلتا ہوا نہ پائے گا۔

مَنْعُوْنِيْنَ اٰيٰتِنَا ثُقُوْا اٰخِذُوْا
وَقْتُلُوْا نَفْسًا يَّسِيْرًا سُنَّتَهُ
اَللّٰهِ فِي الْاٰيٰتِ خَفُوْا مِنْ
قَبْلُ وَاَنْ تَجِدَ اٰسٰتَهُ
اَللّٰهِ تَبْدِيْلًا

(الاحزاب ۶۰-۶۲)

سنت کے معنی عادت کے ہیں یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی عادت معروف ہے پھر اگر اللہ تعالیٰ کسی مدعی نبوت اور اس کے اتباع کی ممانعت پر ظاہر یا باطن طور پر مستقل مدد کرتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جی سچا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت و عادت یہ ہے کہ جو مومنین سچے انبیاء کے ساتھ ہوتے ہیں کافروں اور منافقوں پر ان کی مدد کی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ واضح دلائل کے ساتھ انہیں تائید دیتا ہے اور جو شخص کاذب مدعی نبوت ہو تو وہ سب سے بڑا کافر و ظالم ہے۔ جیسا کہ سورۃ النعام میں فرمایا:-

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ اخْتَرَىٰ
عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ
اِلَيَّ وَلَمْ يَكُن مِّنْهُ شَيْءٌ سَمِعَ
نَادِيَهُمْ خَسْفَ السَّيْرِ

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بندھے یا یوں کہے کہ مجھے

لَقَدْ دَلَسْتُمْ بِؤْسَ رَبِّكُمْ شَيْئًا
وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلَ مِثْلَ مَا
أَنْزَلَ اللَّهُ
(الانعام ۹۳)

مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی آئی ہے۔
اور اس پر کوئی وحی نہ آئی ہو اور اس سے
بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو کہے کہ میں بھی ایسا
ای قرآن نازل کر سکتا ہوں۔

اور سورۃ الزمر میں فرمایا :-
فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى
اللَّهِ وَكَذَبَ بِالنَّبِيِّ إِذْ جَاءَهُ
(الزمر ۳۲)

پس اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو
اللہ پر جھوٹ باندھے اور سچی بات جب
اس تک پہنچے تو اُسے جھٹلا دے۔

اور سورۃ العنکبوت میں فرمایا :-
وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى
عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ
لَمَّا جَاءَهُ
(العنکبوت ۶۸)

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ
پر جھوٹ باندھے یا جب سچی بات اس
تک پہنچے تو اُسے جھٹلا دے۔

اور سورۃ الانعام میں فرمایا :-
فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى
اللَّهُ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ
عِلْمٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظَّالِمِينَ
(الانعام ۱۴۴)

پھر اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ
پر بے جانے بوجھے لوگوں کے بہکانے
کے لیے جھوٹ باندھے بے شک اللہ
تعالیٰ ظالموں کو راہ راست پر نہیں لگاتا

اور جو شخص ایسا ہو گا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ مغضوب ہو گا اور اُسے عقاب کرے
گا اور اس کا یہ کام ہمیشہ نہیں چل سکے گا۔ بلکہ جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرت
ابو سربہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب اس پر
گرفت آتی ہے تو وہ بچ نہیں سکتا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی :-

وَكَذَّبَ آيَاتِ أَخَذَ رَبُّكَ إِذْ أَخَذَ
النَّعْرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخَذَ

اور اللہ جب ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے تو اس
کی پکڑ ایسے ہی ہوتی ہے بے شک اللہ

اَلَيْسَ شَدِيدًا (رہود: ۱۴۲)
 کی پکڑ دردناک اور سخت ہے۔
 اور ایک صحیح حدیث میں حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

”مومن کی مثال کھیتی کی سوتی کی ہے کہ اُسے ہوا میں ادھر ادھر مائل کرتی
 رہتی ہیں کبھی اُسے کھڑا کر دیتی ہیں اور کبھی ایک طرف جھکا دیتی ہیں لیکن
 منافق کی مثال سفیدہ کے درخت کی ہے جو اپنے تنے پر برابر کھڑا
 رہتا ہے حتیٰ کہ ایک سخت اُکھڑ کر نیچے گر پڑتا ہے۔“

پس کاذب فاجر شان و شوکت میں خواہ کتنا بڑا ہو جائے بالآخر وہ
 کلی طور پر ختم ہو جائے گا اور دنیا میں لوگ اُسے بُرائی سے یاد کرتے رہیں گے
 ایسے لوگ یکدم نمایاں ہو جاتے ہیں اور پھر جلد ہی ختم ہو جاتے ہیں۔
 چنانچہ اسود غسانی، میلہ کذاب، حارث دمشقی اور بابک خرمی وغیرہم

کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔
 ان کے برعکس انبیاء علیہم السلام شداً و محناً سے دوچار ہوتے ہیں تاکہ
 ان کی خوب شہیص ہو جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ابتداء سے بندے کی شان
 میں اضافہ کرتا ہے اور کھیتی کی طرح وہ تدریجاً بڑھتا رہتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ
 الفتح میں فرمایا:-

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ، وَالَّذِينَ
 مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ
 رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ
 رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ
 فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا
 سِيمَا هُمْ فِي
 وُجُوهِهِمْ مِنْ أَشْرَ السُّجُودِ

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ اس
 کے ساتھ ہیں (یعنی صحابہ) وہ کافروں پر
 سخت ہیں، آپس میں رحمدل ہیں تو ان
 کو دیکھتا ہے کبھی رکوع کر رہے ہیں اور
 کبھی سجدہ رہتے ہیں، اللہ کے فضل اور
 اس کی رضا مندی کی فکر میں رہتے ہیں
 ان کی علامت یہ ہے کہ ان کے چہروں

پر سجدہ کے نشان ہیں، یہ ان کی حالت
توراة میں بیان ہوتی ہے اور انجیل میں
ان کی مثال ایک کھیتی کی سی بیان کی
گئی ہے جس نے زمین سے اپنی سوئی
نکالی پھر اس کو قوی کیا وہ موٹی ہو گئی
اور اپنے نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی۔
کسانوں کو بھلی لگنے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے
یہ اس لیے کیا کہ کافران کو دیکھ کر جلیں
ان لوگوں میں جو ایمان لائے اور اچھے
کام کیے ان سے اللہ نے بخشش اور
بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔

ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ
وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ
كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطَاكًا فَزَرَعُوا
فَا سَتَخَلَتِ فَا سَتَوَىٰ عَلَىٰ
سَوْقِهِ يُغْشِبُ الزَّرْعَ
لِيُغَيِّظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ
وَ عِنْدَ اللَّهِ الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ
مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا

(الفتمہ ۲۹)

یہی وجہ ہے کہ انبیاء کے پہلے متبعین کمزور لوگ ہوتے ہیں تاکہ ان امور
میں اور سنت الہیہ میں انبیاء و اولیاء صادقین اور اعداء اللہ اور جھوٹے نبیوں کے
درمیان امتیاز ہو۔ اور پھر نبی صادق اور متنبی کاذب کے دلائل و معجزات
میں فرق ملحوظ رہے۔ قرآن نے انبیاء اور مومنین کے اولاً ابتلاء اور پھر انجام
کار ان کی کامیابی کو متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ جیسے فرمایا:-

وَلَقَدْ كَذَّبْتَ رَسُولًا مِنْ
قَبْلِكَ فَاصْبِرْ وَ أَهْلِي مَا كَذَّبُوا
وَ أُوذُوا وَ هَتَفُوا أَنَا هُمْ نَصُونَا
وَ كَا مِبْسَدٍ لَّ يَكْمِلُ
اللَّهُ وَ لَقَدْ جَاءَكَ مِنْ
تَبَايِ الْمُرْسَلِينَ

اور تجھ سے پہلے بہت پیغمبر بھیجے جاتے تھے
جس کے پہلے میں پھر انہوں نے جھٹلاتے جانے
اور تکلیف دیتے جانے پر صبر کیا۔
یہاں تک کہ ہماری مدد ان کے پاس
آپنی اور اللہ کی باتوں کو کوئی بدلنے
والا نہیں، اور پیغمبروں کے کچھ نقصے تو آپ
معلوم کر چکے ہیں۔

(الانعام ۳۴)

اور سورۃ البقرہ میں فرمایا،

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا
الْحَيَاةَ وَلَمْ يَأْتِكُمْ
مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ
مَسْتَهْزِئِينَ الْبَاسَاءُ وَالضَّآلُّونَ
وَأَنْزَلْنَاهُمْ حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ
وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى
نُصْرُ اللَّهِ، أَكَا إِنَّ تَنْصُرَ اللَّهُ
قَرِيبٌ۔

(البقرہ ۲۱۴)

اور سورۃ یوسف میں فرمایا:-

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا
رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ
الْقَرْيَةِ، أَلَمْ يَسِيرُوا فِي
الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
وَلَكِنْ أَتَاهُمْ نَارُ خَيْرٍ مِنَ
الَّذِينَ اتَّقَوْا أَفَلَا تَعْقِلُونَ، حَتَّى
إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَظَنُوا
أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا جَاءَهُمْ
نُصْرُنَا فَفُتِحَ مِنَ نَشَأٍ وَكَانَ
يَوْمَ يَأْتِسَّ عَيْنَ الْفُتُورِ
الْمُجْرِمِينَ، لَقَدْ كَانَ فِي

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم کو بے تکلیف اٹھائے
جنت میں چل دو گے اور ابھی تک تو
تمہاری وہ حالت نہیں ہوئی جو اگلے
لوگوں کی ہوئی تھی مصیبت اور تکلیف
ان کو لگ گئی اور اس درجہ تک
جھڑ جھڑائے گئے کہ خود پیغمبر اور ان کے
ساتھ ایمان والے بول اٹھے اللہ کی مدد
کب آئے گی سن لو اللہ کی مدد قریب
ہے۔

اور ہم نے تجھ سے پہلے جو پیغمبر بھیجے وہ
مرد ہی تھے، اہل بیتوں کے رہنے والے
کیا یہ لوگ ملک میں نہیں پھرے اگر
پھرتے تو انکھ سے دیکھ لیتے کہ اگلے
لوگوں کا انجام کیسا ہوا جنہوں نے پیغمبروں
کو جھٹلایا اس میں شک نہیں کہ پرہیزگاروں
کے لیے آخرت کا گھر دنیا کے گھر سے
کہیں بہتر ہے کیا تم کو عقل نہیں ہے۔
یہاں تک کہ جب پیغمبر نادم ہو گئے
اور ان کی قوم کے لوگ یہ سمجھنے لگے کہ
پیغمبر جھوٹے ہیں تو اچانک ہماری مدد
ان کے پاس پہنچی پھر جس کو ہم نے

قَصَصْنَاهُمْ عَنْ رُسُلِهِمْ لِيُتْلَىٰ
 الْكِتَابَ ۚ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَنُ
 وَلَٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ
 يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ
 وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ
 يُؤْمِنُونَ

(یوسف ۱۰۹-۱۱۱)

چاہا بچا دیا اور کنہکار لوگوں سے ہمارا
 عذاب ٹل نہیں سکتا۔ جو لوگ عقل والے
 ہیں ان کو بے شک ان لوگوں کے قصوں
 سے عبرت ہوتی ہے قرآن کوئی بنائی
 ہوئی بات نہیں ہے بلکہ اگلی کتابوں کی
 تصدیق کرنے والا اور ہر چیز کو کھول کر
 بیان کرنے والا اور ایمان داروں کے لیے
 ہدایت اور رحمت ہے۔

مقصود یہ ہے کہ جو لوگ حق پر قائم.... اور اس کے مددگار ہیں ان کو ستانا
 اور ایجادیں طریق جاہلیت ہے اس دور میں بہت سے لوگ اسی طریق پر چل
 رہے ہیں۔ واللہ المستعان۔

(۵۰)

رجبت و طاعوت پر ایمان

اہل کتاب بُت اور شیطان (طاعوت) پر ایمان لاتے اور مشرکین کو مسلمانوں
 پر ترجیح دیتے تھے۔

چنانچہ سورۃ النصار میں ہے:-
 اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوتُوا
 نَبِيًّا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُوْنَ
 بِالْحَبِيَّتِ وَالطَّاعُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ
 لَئِنْ لَّمْ يَنْفَرُوْا هٰؤُلَاءِ اَهْدٰى

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن
 کو اللہ کی کتاب سے ایک حصہ ملا وہ
 بُت اور شیطان پر ایمان لاتے ہیں اور
 کافروں کو کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے تو یہ

مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سِرًّا - زیادہ صحیح راہ پر ہیں

(النساء ۵۱)

یہ آیت حمی بن الخطیب، کعب بن اشرف وغیرہ یہود کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جنگ اُحد کے بعد وہ مکہ میں گئے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مشرکین مکہ سے معاہدہ کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عہد باندھ رکھا ہے اسے توڑ ڈالیں۔ چنانچہ کعب بن ابوسفیان کا مہمان بنا تو اس نے خوب مہمان نوازی کی اور دوسرے یہود قریش کے مہمان بنے۔ اہل مکہ ان سے کہنے لگے :-

”تم اہل کتاب ہو اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اہل کتاب ہے۔ اس لیے ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں تم ہمارے ساتھ فریب نہ کھیلو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ ہم تمہارا ساتھ دیں تو پہلے تم ہمارے ساتھ ان بتوں کے پاس چلو اور ان پر ایمان لا کر سجدہ کرو۔“

چنانچہ کعب نے ایسا ہی کیا۔ پھر کعب نے کہا:

”اے اہل مکہ! اب چاہیے کہ دونوں جانب سے تمہیں تیس آدمی نکلیں اور اپنے جگر کعبہ کے ساتھ ملا کر رب البیت سے عہد کریں کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف جنگ میں کوشش کریں گے۔“

چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کیا پھر جب اس سے فارغ ہوئے تو ابوسفیان نے کعب سے کہا :-

”تم الکتاب (توراة) پڑھتے ہو اور عالم ہو اور ہم امتی اور بے علم ہیں لہذا تم ہی بتاؤ کہ ہم میں سے کون زیادہ ہدایت یافتہ اور طریق حق کے قریب ہے ہم یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)“

کعب نے جواب دیا: ”کہ تم اپنا دین مجھ پر پیش کرو۔ ابوسفیان نے کہا:

”ہم حجاج کے لیے موٹی اونٹنیاں ذبح کرتے ہیں، ان کو دو دھڑ پلاتے اور مہمان نوازی کرتے ہیں، قیدیوں کو چھڑاتے اور صلہ رحمی کرتے ہیں بیت اللہ کو آباد اور اس کا طواف کرتے ہیں، ہم اہل حرم ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آبائی دین چھوڑ دیا ہے، اس نے قربت داروں اور پُرانے دین سے رشتہ توڑ دیا ہے اور نیا دین اختیار کر لیا ہے“ اس پر کعب نے کہا،

”بخدا تمہارا دین محمد کے دین سے بہتر ہے“

اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔
 (الحجبت) اس کے اصل معنی بُت کے ہیں پھر اللہ کے سوا ہر معبود پر حجت کا لفظ بولا جانے لگا اور ہر باطل چیز کو معبود ہو یا غیر معبود طاغوت کہتے ہیں ان پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ ان کو معبود مان کر اللہ کی عبادت کے ساتھ انہیں شریک کرے اور یا ایمان لانے کے معنی ان کی اطاعت اور موافقت اختیار کرنے کے ہیں اور ان کے مابین مشترک معنی تعظیم بجالانا کے ہیں لیکن پہلا معنی تبادر ہے۔ یعنی وہ ان ہر دو باطل چیزوں کے الہ ہونے کی تصدیق کرتے ہیں اور الہ حق کی عبادت میں ان کو شریک بناتے ہیں اور ان کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔

لہ اس کے اصل معنی بُت کے ہیں اور جادوگر، ٹوٹے ٹوٹے، کاہن اور اس قسم کی چیزیں جس حجت میں داخل ہیں۔ حدیث میں ہے العیافۃ والطیۃ والحق من الحجبت یعنی شگون لینا پرندوں کو اڑانا اور قال گری کرنا حجت میں شامل ہے (اشرف المواشی)

حق کو دفع کرنے کیلئے اس کا اقرار کرنا

ان میں مذہبی تعصب تھا وہ حق کا بظاہر اقرار کرتے تاکہ اس کی مخالفت کا کوئی ذریعہ تلاش کیا جائے۔

چنانچہ سورۃ آل عمران میں ہے :

وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ
الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ
عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجِهَ النَّهَارِ
وَالْقُرْآنُ اخْرَجَهُ لَعَنَهُمْ
يَرْجِعُونَ وَلَا تَقُولُوا
إِلَّا بِمَنْ نَّبِعَ وَيُنَكِّمُ
قُلُوبَ الَّذِينَ يَهْدِي هُدًى
اللَّهُ أَنْ يُؤْتِيَ أَحَدٌ
مِّثْلَ مَا أُذْنِيْتُمْ أَوْ
يُعَاجِزُكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ
قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ
يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ
وَاسِعٌ عَلِيمٌ يَعْتَصِفُ
بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ
وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ

اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا
صبح کو تم جا کر اس کتاب پر ایمان لے آؤ
جو مسلمانوں پر اتاری ہے اور شام کے وقت
منکر ہو جاؤ شاید اس تدبیر سے مسلمان بھی
اپنے دین سے پھر جائیں اور اپنے دین والوں
کے سوا کسی کی بات نہ مانو، تم کہہ دو بیشک
ہدایت تو وہی اللہ کی ہدایت ہے ایسا نہ
ہو کہ دوسرے کسی کو بھی وہ بات معلوم ہو
جائے جو تم کو حاصل ہے یا وہ قیامت
کے دن تمہارے رب کے سامنے تم سے
بحث کریں اے پیغمبر کہد تجھے فضل کرنا
اللہ کے اختیار میں ہے جس پر وہ چاہتا
ہے فضل کرنا ہے اور اللہ کشائش والا
خبردار ہے وہ اپنی رحمت کے لیے جسے
چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے اور اللہ کا

فصل بڑا ہے۔

الْعَظِيمِ (آل عمران ۷۲-۷۴)

حسن اور سدی نے کہا ہے کہ خیبر اور عین کی بستیوں کے بارہ یہودی علماء نے ایک سار شش بنائی اور ایک دوسرے سے کہا کہ صبح کے وقت محض لسانی طور پر محمد کے دین کا اقرار کرو اور پھر شام کو کفر و انحراف کا اعلان کرو اور بیان دے دو کہ ہم نے اپنی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اپنے علماء سے مشورہ کیا تو معلوم ہوا کہ محمد کا دین اس لائق نہیں ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔ ہمیں یہ دین بھوٹا اور باطل معلوم ہوتا ہے ممکن ہے اس طریقہ کے اختیار کرنے سے مسلمان بھی اپنے دین کے متعلق سوچنے لگیں کہ آخر یہ پڑھے لکھے لوگ اس تحریک سے الگ ہو گئے ہیں تو آخر کوئی وجہ ہے پھر وہ بھی تمہارے دین کی طرف لوٹنے لگیں گے۔

(۵۲)

انبیاء کو خدا بنا لینا

وہ اتباع اسلام کو شرک کہتے قرآن میں ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّكَ نَبِيِّنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ

کوئی آدمی ایسا نہیں کرتے گا کہ اللہ اس کو کتاب اور حکم اور پیغمبری سے سرفراز کرے پھر وہ اللہ کے یہ سب احسان اور سرفرازیوں فراموش کر کے لوگوں سے کہنے لگے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ ہاں میں کہے گا اللہ والے بن جاؤ کیونکہ تم اللہ کی کتاب کو پڑھاتے اور خود بھی پڑھتے رہے ہو اور نہ وہ یہ کہے گا کہ فرشتوں یا

اَزْ يَابَا اَيُّا مُرْكُم بِالْمَكْمَرِ
بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُسْلِمُونَ
(آل عمران: ۷۹-۸۰)
نبیوں کو تم خدا بناؤ بھلا یہ کوئی بات ہے
کہ مسلمان ہو چکنے کے بعد وہ کہے کافر
ہو جاؤ۔

ابن اسحاق نے اپنی مسند سے روایت کی ہے کہ اہل نجران کے عیسائی اور
مدینہ کے چند یہود علماء کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
حاضر ہوا آنحضرت نے انہیں اسلام کی دعوت دی اس پر انہوں نے کہا: کیا آپ
چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کرنے لگیں جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کی
عبادت کی اور ایک نجرانی عیسائی بھی جو ربیس کے لقب سے مشہور تھا کہنے لگا:
اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ ہم سے یہی چاہتے ہیں، اس پر آنحضرت
نے فرمایا: ”معاذ اللہ کہ ہم غیر اللہ کی عبادت کریں یا کسی کو اس کا حکم دیں اللہ تعالیٰ
نے مجھے اس لیے نہیں بھیجا اور نہ اس کا مجھے حکم دیا ہے۔ اس پر یہ آیت
نازل ہوئی۔

(۵۳)

کتاب اللہ میں تحریف

اہل کتاب کتاب اللہ میں تحریف سے کام لیتے اور کلمات کتاب کو ان کی جگہ
سے پھیر دیتے کتاب کی آیات کو زبان مروڑ کر پڑھتے۔
چنانچہ سورۃ آل عمران میں فرمایا۔

وَاِنْ مِنْكُمْ لَعَوِيْقًا يَتَوَدُّونَ
اَلَيْسَتْ لَهُمْ بِالْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ
الْكِتَابِ وَ يَقُولُوْنَ هُوَ
مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ
اور بیشک ان میں سے ایک جماعت ہے
جو کتاب کو زبان مروڑ کر پڑھتے ہیں تاکہ تم
اس کو گمان کرو کتاب سے اور نہیں ہے وہ کتاب
سے اور کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے

وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدَ اللَّهِ وَ اور وہ نہیں ہے اللہ کی طرف سے
يَقُولُونَ بَلَىٰ اللَّهُ الْكَذِيبُ اور کہتے ہیں اور پر اللہ تعالیٰ کے جھوٹ
وَهُمْ يَعْلَمُونَ (آل عمران: ۷۸) اور وہ جانتے بھی ہیں۔

مروی ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ دونوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ یہ
اس طرح کہ انہوں نے توراۃ و انجیل میں تحریف کی اور کتاب اللہ کے ساتھ ایسی
آیتیں منم کر دیں جو اس سے نہیں تھیں۔ علماء اس بات میں مختلف ہیں کہ کیا حرف
کو توراۃ میں لکھا بھی جاتا تھا یا نہیں۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ توراۃ میں کامل اللہ
کے سوا کوئی چیز لکھی ہوئی نہیں ہے اور علمائے یہود صرف قرأت کے وقت اس
میں تبدیلی کر لیتے تھے یا غلط تاویل کرتے تھے اور ایسا نہیں تھا کہ انہوں نے
توراۃ کے متعدد نسخے بنا رکھے ہوں اور بعض نسخوں میں وہ اپنی مرضی کے مطابق
کچھ لکھ لیتے ہوں اور واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ توراۃ و انجیل
کے جتنے اصل نسخے ہمارے سامنے ہیں کوئی بھی محرف نہیں ہے۔ ہاں وہ
صرف تحریف و تاویل سے گمراہ کرتے ہیں اور کچھ تحریریں اپنے پاس سے لکھ
لیتے اور کہہ دیتے کہ یہ من عند اللہ ہیں۔ حالانکہ وہ من عند اللہ نہ ہوتیں اور اگر
نفس توراۃ میں تحریف ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ کیوں کہتے
قَاتُوا يَا تَسْمُوتَ قَاتُوا هَا پھر توراۃ کو لے آؤ اور اس کو پڑھو۔
إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ (آل عمران: ۹۲) اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔

اور وہ پڑھنے سے گریز کرتے۔ چنانچہ اگر انہوں نے اپنے حسبِ منشاء
تبدیل کی ہوتی تو وہ پڑھنے سے گریز نہ کرتے اور نہ ہی آنحضرت ان کو یہ کہہ
کر اپنا مطلب باطل کرتے۔

بعض دوسرے علماء کا بیان ہے کہ انہوں نے نفس کتاب میں تحریف
کر رکھی تھی اور اسی سلسلہ میں انہوں نے بہت سے ظواہر سے استدلال
کیا ہے۔ یہ اور ہو سکتا ہے انہوں نے اس پر الیکا کر لیا ہو۔ لہذا تعدد نسخ
لے اگلے صفحہ پر دیکھئے۔

اس سے مانع نہیں ہے اور ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو کہ گو توراتہ محرف ہو چکی ہے مگر اس میں کچھ مواد باقی ہے جس سے ہمارا مقصد ثابت ہو سکتا ہے اس پر پوری بحث تفسیر روح المعانی میں موجود ہے۔ اسی طرح شیخ الاسلام نے ”الجواب الطبیح“ میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔

مسلمانوں کا کردار

اس دور میں بہت سے مسلمانوں نے بھی تحریف و تاویل اور اتباع شہوات میں اہل کتاب کا رویہ اختیار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے سورہ نسا میں فرمایا ہے۔
 وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُخْرِفُونَ
 الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَ
 يَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعُ
 غَيْرُ مَسْمُوعٍ وَمَا عَنَّا لُبًّا
 بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ
 وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا
 وَأَسْمَعُ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ
 وَأَقْوَمَ وَلَٰكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ
 بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا
 قَلِيلًا۔

اور تمہارے دشمن یہودیوں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو الفاظ کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں اور زبانوں کو مروڑ کر اور دین طعن کرنے کو کہتے ہیں ہم نے سنا نہ مانا اور سنو تم کو کوئی نہ سنائے اور ”راعنا“ اگر وہ یوں کہتے ہم نے سنا اور مان لیا اور سنو اور ”راعنا“ کی بجائے انظرنا کہتے تو یہ ان کے حق میں بہتر اور درست ہوتا مگر ان پر تو کفر کی وجہ سے اللہ نے پھینکار کر دی ہے وہ ایمان نہیں لاتے

مگر تھوڑا

(النساء ۴۶)

اس آیت کی بحث بھی تفاسیر میں مذکور ہے۔

۱۔ حاشہ صفحہ گذشتہ) مثلاً جو سفر حضرت موسیٰ کی طرف منسوب ہے اس میں حضرت موسیٰ کی وفات کی خبر بعد میں کہی گئی ہے جو ظاہر ہے کہ وہی نہیں ہو سکتی۔

اہل ہدایت کو بُرے القاب سے یاد کرنا

اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ وہ اہل ہدایت کو صابی اور حشویہ کہہ کر پکارتے اور جو شخص آباؤی دین چھوڑ کر مسلمان ہو جاتا اسے صابی کہتے اور لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متنفر کرنے کے لیے آپ کو صابی کہہ کر پکارتے جیسا کہ صحیحین کی متعدد احادیث میں مذکور ہے۔ علیٰ ہذا القیاس خود امت محمدیہ سے بھی بہت سے اہل بدعت و ہوا ہیں جو اپنے مخالفین کو بُرے القاب سے یاد کرتے ہیں۔

صابتۃ ایک قدیم امت ہے جس کے مختلف فرقے ہیں نہ تاریخ مذاہب پر لکھنے والوں نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے۔ اور حشویہ، جیسا کہ بعض نے کہا ہے اس فرقہ کو کہتے ہیں جو کتاب و سنت میں ایسے الفاظ کے وارد ہونے کے قائل ہیں جن کا کوئی معنی نہ ہو جیسا کہ سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات ہیں اور یہ لوگ حسن بصری کے حلقہ میں ان کے سامنے بیٹھتے لیکن جیب انہوں نے ایسی ایسی باتیں شروع کیں تو حسن بصری نے ان کے متعلق کہا "ان لوگوں کو حلقہ کے حشا یعنی ایک جانب میں بٹھایا کرو۔" چنانچہ اس وقت سے ان کا نام حشویہ پڑ گیا۔ سلفی لوگوں کے مخالفین ان کو حشویہ کے لقب سے پکارتے ہیں تاکہ لوگوں کو ان کے اتباع سے روکا جاسکے اور ان کے اقوال پر عمل نہ کریں کیونکہ وہ متشابہات میں تاویل کے قائل نہیں ہیں لیکن سلف پر یہ الزام ہے کیونکہ سلف کتاب و سنت میں مہل لفظ کے ورود کے قائل نہیں بلکہ "تم استوی علی العرش کے متعلق سلف کہتے ہیں استواء کے معنی معلوم ہیں لیکن کیفیت

مجهول ہے اس کا اقرار ایمان ہے اور محمود کفر ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی متعدد تصانیف میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور ”جواب اہل الایمان“ میں اس کو منحصر کیا ہے۔

بعض علماء نے مذہب سلف اور حشویہ کے مابین یا اس طور فرق کیا ہے کہ حشویہ تو ایسے کلمات کے ورود کے قائل ہیں جن سے معنی مقصود کا سمجھنا متعذر ہوتا ہے۔ مثلاً لفظ استواء کہ اس کے لغوی معنی تو ہر شخص جانتا ہے مگر یہ معنی مراد نہیں ہیں کیونکہ یہ عقل و نقل کے مقتضی کے خلاف ہیں اور جو معنی اللہ کی ذات کے لائق ہیں وہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تو پھر سلف کا مذہب حشویہ جیسا کیسے ہو سکتا ہے۔ حسن بصریؒ جو اکابر تابعین سے تھے انہوں نے حشویہ مذہب کو ساقط قرار دیا اور یہ گوارا نہ کیا کہ اس کا قائل ان کے سامنے بیٹھے۔

مقصود یہ ہے کہ اہل بدعت نے اہل سنت والجماعہ کو یہ برا لقب دے رکھا ہے۔ ابن قیمیہ ناویل مختلف الحدیث میں لکھتے ہیں :-

”اہل بدعت ... اہل حدیث کو حشویہ، نابتہ، متعجبہ اور جبریہ وغیرہ ناموں سے پکارتے ہیں۔ یہ سب بُرے لقب ہیں جن کے متعلق کوئی حدیث وارد نہیں ہے۔ جیسا کہ قدریہ کے متعلق وارد ہے۔“

اَتَهُمْ مَجُوسٌ هَذِهِ الْاَمَّةُ
فَاِنْ مَرَضُوا فَلَا تَعُوذُ لَهُمْ
وَرَاثٌ مَاتُوا فَلَا تَشْهَدُ
جَنَائِزَهُمْ۔

کہ قدریہ اس اُمت کے مجوس ہیں اگر یہ
لوگ بیمار پڑ جائیں تو ان کی عیادت
نہ کرو اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازے
نہ پڑھو۔

اور رافضیوں کے متعلق فرمایا:

يَكُونُ قَوْمٌ فِي اَحْوَالِ الزَّمَانِ يَسْمُونَ
الرَّافِضِيَّةَ بِرَفْضِ قَوْلِ الْاِسْلَامِ وَيَلْفِظُونَهُ
قَاتِلُوهُمْ فَإِنَّهُمْ مُشْرِكُونَ۔

کہ آخر زمانہ میں ایک قوم ہوگی جنہیں رافضیہ
کہا جائے گا وہ اسلام کو جھوڑ دیں گے۔
انہیں قتل کرو بلاشبہ وہ مشرک ہیں۔

اور مرجیہ کے متعلق فرمایا :-

صَنَافٍ مِنْ اُمَّتِي لَا تَنَالُهُمْ شَفَاعَتِي
لَعْنُوا عَلَى لِسَانِ سَبْعِينَ
نَبِيًّا، الْمَرْجِيَّةُ وَالْقَدَارِيَّةُ -
میری اُمت سے دو گروہ ایسے ہوں گے
جن کو میری شفاعت نہیں پہنچے گی، ستر
نبیوں کی زبان پر انہیں لعنت کی گئی
ہے۔ یعنی مرجیہ اور قدریہ۔

اور خوارج کے متعلق فرمایا :-

يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا
يَمْرُقُ السَّمُّ مِنَ السَّمِيَّةِ
وَهُمْ كَلَابِ اَهْلِ النَّارِ
وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے
جیسے تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے۔ یہ
جہنم کے کتے ہیں۔

ان فرقوں کے مذکورہ نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، مگر
حشویہ وغیرہ قسم کے نام بناوٹی ہیں۔

اور غنیۃ الطالبین میں ہے،

”باطنی فرقہ اہل حدیث کو حشویہ کہتا ہے کیونکہ یہ لوگ اخبار و آثار
سے تعلق رکھتے ہیں۔“

اور کتاب ”حجتہ اللہ البالغہ“ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں :-

”ان گمراہوں نے اہل حدیث پر زبان درازی کی اور ان کے نام
”حشویہ“ ”مشیمہ“ وغیرہ رکھ دیئے ہیں اور کہا کہ یہ لوگ
”بلا کیف“ کی آڑ لیتے ہیں اور میں وضاحت کے ساتھ کہتا ہوں کہ
ان کی یہ ساری زبان درازی بے معنی ہے اور یہ لوگ اپنی روایت
میں روایت و درایت کے اعتبار سے خطا کار ہیں اور ائمہ ہدایت پر
طعن کرنے میں غلطی پر ہیں۔“

فصل

اہل سنت کو حشویہ کے لقب سے یاد کرنا

اہل سنت و اہل حدیث کی بجائے یہ خود اس لقب کے زیادہ مستحق ہیں اور پھر ابن القیم نے ان اہل بدعت کی نشان دہی کی ہے جنہوں نے سب سے پہلے اہل الحدیث و اہل السنۃ کو حشویہ کہا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب "کافیۃ الشافیہ" میں لکھتے ہیں:-

- | | |
|------------------------------------|-----------------------------|
| (۱) ومن العجائب قولهم لمن اتندی | بالوحی من اشرو من قران |
| (۲) حشویۃ یعنون حشوا فی الوجو | و فضلۃ فی امۃ الانسا |
| (۳) ولین جاہلہم بانہم حشوا | رب العباد بداخل الاکوا |
| (۴) اذ قولہم فوق العباد و فی السما | والرب فوال ملکوت والسلطان |
| (۵) ظن الحمید بان فی "لن طرف والہ | رجن معوی بطرف مکان |
| (۶) واللہ لم یجمع بذل فرقۃ | قالنہ فی زمن من الا زمان |
| (۷) ولا تبہتوا اہل الحدیث بہ فما | ذا قولہم تبہا لذی البہتان |
| (۸) بل قولہم ان السموت العلی | فی کف خالق ہذا الاکوان |
| (۹) حقاً کخولۃ تری فی کف ممسکها | تعالی اللہ ذوالسلطان |
| (۱۰) اتروہ المصور بعد امر السماء | یا قومنا ارتدعوا عن العدوان |
| (۱۱) کما ذابہم ذل حشویۃ | مروت بلا عجد ولا کتات |
| (۱۲) تدارون من سمت تینونکم بہذ | الاسم فی الماضی من الا زمان |
| (۱۳) سمی بہ عبر ولعبد اللہ ذ | ک ابن الخلیفۃ طار والشیطان |

- (۱۴) فوئتم عبروا کما ورثو العبد
 (۱۵) تدارون من ادلی بهذا الاسم - وهو
 (۱۶) من قد حشی الاوراق والاوهان من
 (۱۷) هذا هو الحشوی لا اهل الحديث
 (۱۸) وروا عذاب من اهل السنن التي
 (۱۹) وروا وتم لعلوط كل ذي ال
 (۲۰) وكسستم ان تصعدوا للمورد من

اشرا الشرائع خيبة الکسلان

ترجمہ: ان ابیات کا حاصل ترجمہ ہے کہ اعداء حق اور خصوم سنت، جو کہ کتاب و سنت کی ضد ہیں۔ سلف صالحین کو حشو یہ کہتے ہیں حالانکہ سلف کتاب و سنت پر عمل پیرا تھے۔ ان اہل بدعت میں جو خواص ہیں وہ حشو یہ سے ایک خاص مفہوم مراد لیتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو معاشرہ میں فضیلت کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے اور یہ لقب ان کو محض اس بنا پر دیا گیا ہے کہ سلف ان کے فاسد افکار اور غلط آراء پر نہیں چلے۔

اب سب عوام کو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حشو یہ اللہ تعالیٰ کے فوق ہونے کے قائل ہیں اور اللہ تعالیٰ کو آسمان میں مانتے ہیں۔ یعنی (حاشا وکلا) ان کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وجود کے اندر اور کائنات میں داخل ہے۔ تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً یہ اہل حدیث پر بہتان عظیم ہے۔ علاوہ ازیں اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ یہ اعداء حق اس دور میں بھی جاہلیت کے مسک پر چل رہے ہیں اور ہر وہ شخص جو کتاب و سنت سے تمسک کرے اس پر کوئی نہ کوئی مذہب و لقب تنوید دیتے ہیں۔

لے فی زمانہ جو رسوم شرکیہ کار و کرتے ہیں اور توحید کا دغل کہتے ہیں ان کو دہائی کہہ رہا ہوں کہ تم نے میں لکھی اس لفظ کے معنی پر انہوں نے غور نہیں کیا۔ دہائی کے معنی ہیں دہاب والے ہکا پھوکا رہی سمجھتے ہیں شیطان والے

تکذیبِ حق

یہود و نصاریٰ اور مشرکین اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے اور حق کی تکذیب کرتے۔ کتاب و سنت میں اس مسئلہ کے ہیئت سے شواہد موجود ہیں۔ دین اسلام کے مخالفین (یہود و نصاریٰ) کی یہ عادت بن چکی ہے کہ وہ اپنے دین کو حق سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے تمسک کا حکم دیا ہے اور دین اسلام کو باطل قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تکذیب کا حکم دیا ہے۔ یہ سب باتیں اپنے اسلاف کے بالتبع کہتے ہیں اور کسی دلیل پر غور نہیں کرتے۔

یہی حال اس زمانہ میں اہل بدعت و ضلالت کا ہے کہ وہ اپنے منہ میاں مٹھو دیتے ہیں اور ان بدعات کے حق ہونے پر مصر ہیں اور ان کو نامور من اللہ سمجھتے ہیں اور اہل حق کے مسلک کو غلط قرار دیتے ہیں اور اُسے ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

وکل یدعی وصلا للیلی

ولیلی لا یصر لہم ینذاکا

”ہر ایک لیلیٰ کے وصل کا مدعی ہے لیکن لیلیٰ کسی کے لیے اس کا اقرار نہیں کرتی۔“

مومنین پر اقتزار

یہ لوگ مومنین کے متعلق پروپیگنڈا کرتے کہ یہ ملک میں بڑائی کے طالب اور اقتدار کے بھوکے ہیں۔ چنانچہ سورۃ یونس میں ہے کہ آل فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگایا اور کہا:

أَجْتَنَّتْنَا تَلْقَيْنَا عَمَّا وَجَدْنَا
عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونُ لَكُمَا
الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ وَمَا
نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ۔
(یونس ۷۸)

کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے
کہ جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا
اس سے ہم کو پھیر دے اور تم دونوں کو
ملک کی سرداری مل جائے اور ہم تو تم
دونوں کی بات ماننے والے نہیں۔

یعنی جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کے منہ میں پتھر ٹھونس دیا اور وہ حضرت موسیٰ کے مقابلہ سے عاجز ہو گئے اور ان کی دلیل کا صحیح جواب نہ دے سکے تو انہوں نے تقلید کا دامن تھامنے کی کوشش کی۔ جیسا کہ ہر اس شخص کی عادت ہے جو دلیل سے عاجز ہو جائے اور اپنی روش کو جھوڑنے کے لیے تیار نہ ہو پس یہ حملہ متنافر ہے اور سوال مخدوف کا جواب۔ یعنی جب موسیٰ علیہ السلام ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کر چکے تو انہوں نے یہ جواب دیا اور دلائل سے عاجز ہو کر حضرت موسیٰ پر الزام لگانے لگے۔ کہ: أَجْتَنَّتْنَا تَلْقَيْنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونُ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ یہاں پر "الارض" سے ملک مصر مراد ہے۔ جیسا کہ مجاہد سے مروی ہے۔ یعنی تم اس زمین کے مالک منا چاہتے ہو اور بادشاہت کو "کبریا" اس لیے کہا ہے کہ دنیا میں سب سے

بڑا مطلوب بھی ہوتا ہے۔ پس جب بھی کسی نے دعوت حق پیش کی تو اس کے دلائل پر غور و فکر کرنے کی بجائے جاہلیت کے حامین نے اس پر بھی الزام لگایا کہ یہ جاہ و ریاست حاصل کرنا چاہتا ہے۔

(۵۷)

مسلمانوں پر فسادی ہونے کا الزام

قرآن پاک میں متعدد آیات شاہد ہیں کہ ہر دور میں اہل جاہلیت مومنین پر فسادی ہونے کا الزام لگاتے رہے ہیں۔ قرآن نے ان کے جواب میں یہی کہا کہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے۔ مومنین نہیں بلکہ ان کے مخالفین فسادی ہیں۔ چنانچہ سورۃ البقرہ میں ہے کہ انہوں نے مصلحین ہونے کا دعویٰ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کی اور فرمایا:

أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ ۚ
وَلَكِن لَّا يَشْعُرُونَ (البقرہ ۱۷)

اسی طرح ان کے ہم خیال لوگ جن کے قلوب پر بدعات کا غلبہ ہے وہ اپنی گمراہی کو شیریں سمجھتے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے

وَمَنْ يَكْ ذَا فَمُتْرٍ مَرِيضٍ

يَجِدُ مَتْرًا بِهَ الْمَاءُ الزَّكَالَا

جس مریض کے منہ کا فالقہ کڑوا ہو وہ شیریں پانی کو تلخ پائے گا۔
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے دلوں کو دینِ توہیم پر ثابت رکھے
اور ہمارے اقدامِ صراطِ مستقیم پر جمے رہیں۔

مسلمانوں پر تبدیلی دین کا الزام

فرعون مومنین پر تبدیلی دین کا الزام لگاتا۔ چنانچہ سورۃ غافر میں ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ کے متعلق کہا

إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ
أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ
مجبھے خوف ہے کہ کہیں تمہارے دین کو
تبدیل نہ کر دے یا زمین میں فساد
پھیل نہ کر دے۔ (غافر ۲۴)

انہوں نے اپنی گمراہی کو سیدھا راستہ خیال کیا اور جس نے بھی انہیں اس سے ہٹانے کی کوشش کی تو انہوں نے یہی سمجھا کہ وہ ہمیں دین سے نکالنا چاہتا ہے اور ملک میں فساد پھیلانا چاہتا ہے۔ اور ہر دور میں اعداء حق کی یہی عادت رہی ہے۔

اہل حق پر مفسدہ پرواز ہونے کا الزام

مشرکین اور اہل جاہلیت جب دلیل سے عاجز ہو گئے تو انہوں نے تلوار کا سہارا لیا اور بادشاہوں کے پاس ڈائریاں دینے لگے کہ یہ تمہیں حقیر سمجھتے ہیں اور رعایا کو ان کے دین سے پھیرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ الاعراف میں فرمایا :-

أَمَّا تَدْمُوسَىٰ وَ قَوْمَهُ
کہ کیا موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ ہے

لِيُعْصِدُوا فِي الْأَرْضِ (اعلان ۱۲۷) ہو کر زمین میں فساد کریں۔
 دیکھتے آں فرعون اور ان کی قوم نے کس طرح شکایت کی اور ان کو حضرت
 موسیٰ سے جنگ پر کس طریقہ سے اکسایا۔ اس آیت کے آخر میں ان کا ذکر
 حقارت آمیز لہجہ میں کیا۔

(۶۰)

ان کے مذہب میں تناقض

حق کو چھوڑنے کے بعد وہ تناقض میں مبتلا ہو گئے۔

چنانچہ سورۃ قی میں ہے:-

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِندَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ، بَلْ كَذَّبُوا بِالنَّحْيِ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَرِيحٍ،
 ہم تو جتنا ان کو زمین کھا جاتی ہے وہ جانتے ہیں اور ہمارے پاس کتاب میں سب کچھ موجود ہے بلکہ انہوں نے اس سے بڑھ کر بات کی کہ حق ان کے پاس پہنچ گیا تو اسے جھٹلایا اور وہ ڈگمگا رہے ہیں

(ق-۴-۵)

یہاں پر ”بل“ اضطراب کے لیے ہے جو پہلے اضطراب کے بعد لایا گیا ہے یعنی بلکہ انہوں نے ایسی بات کی ہے جو ان کے پہلے انجیب سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور وہ ہے بے سوچے سمجھے حق کی تکذیب اور نبوت کا انکار جو معجزات سے ثابت ہے۔ اس بنا پر فرمایا کہ وہ اضطراب میں پڑے ہوئے ہیں۔ کیونکہ کبھی یہ کہتے ہیں کہ بشریت نبوت کے منافی ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ اگر اللہ کو نبی بھیجا ہی منظور تھا تو اہل جاہلشت سے بھیجتا جیسا کہ

قرآن نے ان کے قول کی حکایت کرتے ہوئے بتایا ہے
 كَذٰلِكَ نُنْزِلُ هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی
 رَجُلٍ مِّنَ الْقَبْرِیْنِیْنِ عَظِیْمٍ
 اور کیوں نہیں نازل کیا گیا یہ قرآن دو
 بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی

(زخرف - ۳۱)

اور کبھی وہ پیغمبر کو مسحور کہتے اور کبھی کاہن اور کبھی شاعر و ساحر۔ الغرض وہ فہمی
 الجھن میں پڑے ہوئے ہیں۔ جسے قرآن نے ”اُمّ مرتج“ کا اور وہ کبھی مرنے کے
 بعد دوبارہ زندگی پر تعجب کرتے اور اُسے مستبعد خیال کرتے اور کبھی اس کی
 تذبذب کر دیتے ہیں۔ اور قرآن کے متعلق بھی انہیں ایک بات پر قرار نہیں تھا
 کبھی اسے شعر کہتے اور کبھی سحر۔ چنانچہ الذاریات میں فرمایا:

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ اِنَّكُمْ
 لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ یُّؤَفِّکُمْ عَنْهَا
 اِنَّکُمْ فَنَیْلِ الْفَرَاصِدِ اَلَّذِیْنَ هُمْ
 فِیْ غَمَرٍ مَّحْضٍ سَا هُوْنَ۔
 قسم ہے آسمان کی جس میں رستے ہیں تمہاری
 ایک بات نہیں ہے اور پیغمبر کی بات ماننے
 سے وہی باز رہتا ہے جو روزِ اوّل سے باز
 رکھا گیا یہ اٹکل کے ٹکے چلانے والے

(الذاریات ۷-۱۱)

تباہ ہوں جو غفلت میں بھولے ہوئے ہیں
 اس آیت کریمہ میں ”الجھک“ جھیکہ کی جمع ہے جیسے طریقہ کی جمع طرق آجاتی
 ہے۔ اس سے مراد یا تو ستاروں کے راستے ہیں جو محسوس ہوتے ہیں یا غیر مرئی
 راستے ہیں جو عقل و فکر سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور غور کیا جائے تو وہ صانع کی
 وحدت، قدرت اور علم و حکمت پر دلالت کرتے ہیں اور آیت کریمہ ”اِنَّکُمْ لَفِیْ
 قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ“ میں کفار کے تناقض کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی ایک طرف تو
 وَدَّ التَّوَالٰی کو آسمان و زمین کا خالق مانتے ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ
 کی عبادت کے ساتھ بتوں کو شریک بناتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے معاملہ میں بھی مختلف ہیں کبھی معنوں اور کبھی ساحر کہتے ہیں اور عاقل کے
 بغیر ساحر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کبھی حشر کا انکار کر دیتے ہیں اور سرے سے

سے حیاۃ بعد الموات کی نفی کر دیتے ہیں اور کبھی گمان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن بیت ان کی شفاعت کریں گے۔ الغرض ان کے اقوال میں اختلاف اور تناقض پایا جاتا ہے۔

(الْخَرِصُونَ) اٹکل سے بات کرنے والے مختلف باتیں کرتے ہیں۔
(فِي غَمْرَةٍ سَاهُونَ) غمرۃ سے مراد بہت بڑی غفلت ہے جو گھرے پانی کی برکت ان سب کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔
اور سورۃ الانعام کے آخر میں فرمایا :

اِنَّ اَتَذِیْنَ فَتَرَوْا دِیْنَهُمْ دَ
كَانُوا شِیْعًا تَسْتَمِیْنُهُمْ فِی
شِیْعِی اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلٰی اللّٰهِ
تَمَّ یَتَّبِعُهُمْ بِمَا كَانُوْا
یَفْعَلُوْنَ (الانعام ۱۵۹)

اس سے پہلے مشرکین کی حالت بیان کی ہے اب اس آیت میں اہل کتاب کی حالت کا بیان ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہ سے روایت ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ یعنی انہوں نے اپنے دین میں فرقہ بندیاں قائم کر لیں اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہر حصے پر ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے نے کفر کیا اس طرح ان کے کئی گروہ بن گئے اور ہر فرقے نے اپنا الگ امام بنا لیا۔ ابو داؤد اور ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

افترقت الیہود علی احدى و
سبعین فرقة كلهم في الهاوية
الا واحدة وافتترقت النصارى
على ثنتين وسبعين فرقة كلهم
کہ یہود کے اکثر فرقے ہو گئے اور ایک
فرقہ کے سوا سب دوزخ میں ہیں اور
نصاریٰ بہتر فرقے بن گئے ایک کے
سوا سب دوزخ میں ہیں اور میری امت

فی الہادیہ الواحدۃ و مستفروق امتی کے تہتر فرقے ہوں گے ایک کے سوا
 علی ثلاث و سبعین فرقۃ کلہم فی سب دوزخی ہیں۔

الہادیہ الواحدۃ

اور یہود و نصاریٰ سے ایک ایک فرقہ کا استثناء قبل از نسخ ہے۔ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ان کے ادیان چونکہ منسوخ ہو چکے ہیں اسلئے
 اب استثناء کا تعلق صرف اسلامی فرقوں سے ہوگا اور یہود و نصاریٰ کے تمام فرقے
 بلا استثناء گمراہ شمار ہوں گے۔

رأست منہم فی شئی (یعنی آپ کو ان سے سوال یا بحث کی ضرورت نہیں یا آپ
 کو ان کے عقاب سے کچھ غرض نہیں یا آپ ان سے بری ہیں۔
 دائماً أمرہم الی اللہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور وہ اپنی
 حکمت کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس امت کے بدعتی فرقے مراد ہوں۔ جیسا کہ
 حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ
 (ان الذین فرقوا دینہم) میں فرمایا کہ اس امت کے اہل بدعت و مہوی مراد ہیں اس
 تفسیر کے مطابق مشرکین کے بعد اب مبتدعین کی حالت کا بیان ہوگا اس بات کی
 طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ عنقریب ایسے لوگ بھی آنے والے ہیں۔

یہاں پر مقصد صرف یہ ہے کہ اہل جاہلیت خواہ امی ہوں یا کتبی انہوں نے
 اپنے دین کو ٹکڑے کر ڈالا۔ اہل اصنام میں سے تو ہر قبیلہ کا الگ بت تھا جس
 کی وہ پوجا کرتے تھے اور ان کے عبادت کے طریقے بھی مختلف تھے بعض
 ستاروں کو پوجتے اور بعض سورج کی پرستش کرتے وغیرہ۔ اسی طرح
 اہل کتاب کے بھی مختلف گروہ بن گئے۔ الغرض یہ افراق جہالت کا نتیجہ ہے
 ورنہ شریعت حقہ میں کسی دہر میں بھی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اسی بنا پر قرآن
 کہتا ہے حق ایک ہے اور باطل میں تعدد اور اختلاف ہے۔

سورۃ البقرہ میں فرمایا :-

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاءُ هُمُ السَّافِهُونَ يُخْرِجُهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ (البقرہ: ۲۵۷)

اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے ان کو کفر کے اندھیروں سے نکال کر نور کی روشنی میں لانا ہے اور کافروں کے حمایتی ظلمات ہیں جو ان کو روشنی سے نکال کر کفر کے اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔

دیکھتے آیت کریمہ میں نور کا لفظ بصیغہ واحد اور ظلمات کا لفظ بصیغہ جمع استعمال ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حق ہمیشہ اور ہر جگہ ایک ہی رہا ہے اور کفر و ضلالت اور جہالت کی قسموں کا شمار نہیں۔ اس لیے ظلمات کا لفظ بصیغہ جمع لاکر اس طرف اشارہ فرما دیا ہے۔ نیز اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آراء و اعتقاد میں اختلاف خصال جاہلیت سے ہے جس پر اہل باطل چلتے ہیں، اور عقیدہ حقہ میں وحدت، انبیاء کے متبعین اور شریعت حقہ کے ماننے والوں کا شعار رہا ہے۔

(۶۱)

وہ حق پر عمل پیرا ہونے کا دعویٰ کرتے

اہل کتاب دعویٰ کرتے کہ ہمارے پاس جو حق ہے ہم اس پر عمل پیرا ہیں۔

جیسا کہ سورۃ البقرہ میں فرمایا :-

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا نؤمنُ بِمَا أَنزَلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا

اور جب ان سے کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اتارا اس پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں ہم تو اسی پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر اترا

وَمَا آتَاكَ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ
 أَنْبِيََاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِن كُنْتُمْ
 مُؤْمِنِينَ۔ اور اس کے سوا کو نہیں مانتے۔ حالانکہ
 قرآن برحق ہے ان کی کتاب کی تسبیح
 کرتے تھے۔ ان سے کہہ دیجئے اگر تم تورات
 پر ایمان لاتے تھے تو اس سے پہلے کیوں
 انبیاء کو قتل کیا۔ (البقرة: ۹۱)

یعنی وہ جواب دیتے کہ ہم صرف تورات کو اور جو اس کی تائید میں اترتا ہے
 مانتے رہیں گے اور "علینا" میں جمع مشکلم کی ضمیر سے یا تو انبیاء یعنی اسرائیل
 مراد ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کا قرآن پر ایمان نہ لانا
 کفر و عناد اور حسد و بغض کی وجہ سے تھا کہ یہ ایسے شخص پر کیوں نازل کیا گیا
 جو بنی اسرائیل سے نہیں ہے اور یا "علینا" کی ضمیر سے وہ خود مراد ہیں۔ اور
 ان پر نازل کرنے سے مراد انہیں ان احکام کا مکلف بنانا ہے جو تورات میں
 نازل کئے گئے ہیں اور اس میں ان پر طعن ہے کیونکہ وہ قرآن کی شان میں
 گستاخی کر رہے تھے اور یہود کے دسائس مشہور ہیں اس پر مفصل بحث
 تفاسیر میں مذکور ہے۔

(۶۲)

عبادات میں اضافہ

وہ عبادات میں اضافے کرتے اور پیوند کاری کام لیتے جیسا کہ عاشورا
 کے دن میں انہوں نے بعض اعمال کا اضافہ کر لیا تھا۔

عبادت میں کمی کرنا

وہ عبادت مفروضہ میں کمی کر لیتے جیسا کہ مشرکین مکہ (قریش) نے عرفات میں وقوف کی بجائے مزدلفہ میں وقوف مقرر کر لیا۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں ہے۔

لَقَدْ آفَيْضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاحُنْ پھر اسی مقام سے واپس لوٹو جہاں سے
النَّاسُ (البقرہ : ۱۹۹) سب لوگ لوٹتے ہیں

یعنی عرفہ میں وقوف کے بعد واپس منیٰ میں آؤ اور مزدلفہ میں وقوف پر اکتفا نہ کرو یہ خطاب عام ہے اور اس سے مقصد قریش کے وقوف مزدلفہ کی رسم کو باطل کرنا ہے جس کے متعلق صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قریش اور جو لوگ دین میں ان کے تابع تھے مزدلفہ میں وقوف کرتے اور یہ اپنے آپ کو تمسک کرتے اور باقی عرب قبائل عرفات میں وقوف کرتے قرآن نے اگر اس رسم کو باطل کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ عرفات میں وقوف کریں اور پھر وہاں سے افاضہ کریں۔ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جہاں سے اگلے پچھلے تمام حجاج لوٹ رہے ہیں تم کو بھی وہیں یعنی عرفہ سے واپس آنا ضروری ہے اور مزدلفہ سے لوٹنا جائز نہیں ہے۔

وہ پاکیزہ چیزوں کے ترک کو عبادت سمجھتے

مشرکین پاکیزہ چیزوں کے ترک کو عبادت سمجھتے اسی طرح زینت کی چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں ہیں ان کے ترک کو عبادت خیال کرتے۔
سورۃ اعراف میں اس قسم کی پرہیز کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا۔

يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَشَرِبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ، قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ،

(الاعراف ۳۱-۳۲)

اس آیت کے سبب نزول میں حضرت ابن عباسؓ کہہ رہے تھے کہ جاہلیت میں اعراب (مرد و عورتیں) ننگے ہو کر طواف کرتے تھے حتیٰ کہ عورت جب عریاں ہو کر طواف کرتی تو اپنے بدن کے زیریں حصہ پر کچھ تسمے باندھ لیتی جیسا کہ مکھیوں کی حفاظت کے لیے گدھوں کے چہرہ پر باندھ دیئے جاتے ہیں اور طواف کرتی ہوئی یہ

شعر پڑھتی :-

اليوم يبدأ وبعضه او كله

وما بدأ منه فلا ابعده

آج کچھ یا سارا ظاہر ہوگا اور جو ظاہر ہوگا اس کو میں حلال نہیں کرتی۔

تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور (کلووا بشر) کے متعلق کہی کا بیان ہے کہ اہل جاہلیت کھانا بحسب کفایت کھاتے اور ایام حج میں چکنائی کے استعمال کو حج کے منافی خیال کرتے انہیں دیکھ کر مسلمانوں کے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمیں یہ چیز بلاولی ترک کرنی چاہیے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے زینت یعنی ستر عورت کے حکم کے ساتھ کھانے پینے کو ذکر کرنے کی وجہ معلوم ہو جاتی ہے۔

(لا تسرفوا) یعنی حلال کو حرام قرار دے کر اسراف نہ کرو جیسا آیت کے سبب نزول سے ظاہر ہوتا ہے۔ یا حرام کی طرف تجاوز کر کے اسراف نہ کرو۔

(زینۃ اللہ) سے عمدہ لباس اور وہ تمام چیزیں مراد ہیں جن سے انسان کو تجمل حاصل ہو سکتا ہے۔

اور (الطیبات) سے عمدہ قسم کے کھانے مراد ہیں اور بعض نے حلال کھانے مراد لیے ہیں۔ جیسے بکری کا گوشت اور اس کی چھری اور دودھ وغیرہ۔

رَقْلٌ هِيَ تِلْكَ جِبْتِ امْنٌ رَفِي الْغِيَاةِ الدُّنْيَا یعنی اصالتہ تو یہ چیزیں انہی کے لیے ہیں جن میں ان کی مرید کو امت ہے اور کفار ان سے بالبتبع فائدہ اٹھا رہے ہیں لیکن قیامت میں خالصتہ مومنوں کے لیے ہوں گی دوسرے ان میں شریک نہیں ہوں گے۔

وہ سیٹیاں تالیاں بجانے کو عبادت سمجھتے

مشرکین مکہ سیٹیاں اور تالیاں بجا کر عبادت خیال کرتے قرآن میں ہے:
 وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ
 الْأَمْكَاءَ وَتَصَدِيْقُهُ اَفْذُو الْعَذَابِ
 بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ (الانفال ۳۵)
 اور بیت اللہ کے پاس ان کی نماز یہی ہے
 سیٹیاں اور تالیاں بجانا تو اب اپنے کفر
 کی سزا میں عذاب کا مزہ چکھو۔

آیت کریمہ میں "البیت" سے مسجد حرام مراد ہے جس سے انہوں نے مسلمانوں کو
 روک دیا تھا۔ اختصار کے طور پر اسے "البیت" سے تعبیر کر لیا ہے جس سے اس کے
 بیت اللہ ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ عبادت کے ساتھ
 اس کی تعظیم کی جائے لیکن وہ لوگ صرف سیٹیاں اور تالیاں بجاتے اور اس کا نام
 نماز رکھتے۔ قرآن نے نماز کو مکار اور تصدیق کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ جسے یہ لوگ
 نماز یا دعا کہتے ہیں، اس کی حیثیت پرندوں کی سیٹی یا تھیل کے طور پر تالی
 بجانے سے زیادہ نہیں ہے۔

بعض نے لکھا ہے کہ وہ بیت اللہ میں جا کر نماز کی بجائے سیٹیاں اور تالیاں
 بجاتے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ جب آنحضرت نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے، تو
 مشرکین خلل اندازی کے لیے سیٹیاں اور تالیاں شروع کر دیتے اور سمجھتے کہ وہ بھی
 نماز پڑھ رہے ہیں۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مرد اور عورتیں غلے ہو کر بیت اللہ کا طواف
 کرتے اور تشبیک کر کے سیٹیاں اور تالیاں بجاتے۔

قرآن کا مقصد یہ ہے کہ اس قسم کے افعال عبادت نہیں ہو سکتے بلکہ شعاب

(۶۶)

عقیدہ میں نفاق

وہ مومنوں کے پاس آنے تو ایمان کا دعویٰ کرتے اور وہاں سے نکل کر جاتے تو کفر کے ساتھ جاتے جسے دل میں لے کر آئے تھے۔

(۶۷)

بلا علم گمراہی کی طرف دعوت دینا

وہ بلا علم کے لوگوں کو ضلالت کی طرف دعوت دیتے۔

(۶۸)

علم کے باوجود گمراہی کی دعوت

اور کبھی علم کے باوجود گمراہی کی طرف دعوت دیتے۔

بہت بڑی مکاری

وہ انبیاء کے ساتھ بہت بڑی مکاریاں کرتے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے متعلق مذکور ہے۔

اور انہوں نے میرے ساتھ بڑی چال چلی اور آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے: اپنے دیوتاؤں کو نہ چھوڑنا اور نہ وہ اور سواغ اور یغوث اور یعوق اور نسر کو چھوڑنا اور ان بتوں نے بہتیروں کو گمراہ کر ڈالا۔

وَمَكَرُوا مَكَرًا كَبِيرًا ۖ وَقَالُوا لَا تُدْرِكُوا الْهَيْكَلُ وَلَا تَدْرِكُونَا ۚ وَذَا لَا سِوَاغَاذَ لَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۚ وَكَذَّبُوا كَذِبًا عَظِيمًا ۚ

(نوح ۲۲-۲۴)

یہاں پر کبار کے معنی کبیر کے ہیں اور ان کا بڑا دایہ تھا کہ وہ دین میں جیلہ سازی سے کام لیتے لوگوں کو اس سے روکتے اور حضرت نوح علیہ السلام کے درپے آزار دہنتے۔ یہی حال ان کے اخلاف کا ہے جو دین سے سرکش دنیا کے غلام اور خواہشات کی پیروی میں لگے ہوئے ہیں کہ وہ حق کی دعوت و نبیوں کے ساتھ وہی سلوک کر رہے ہیں جو حضرت نوح کی قوم نے نوح کے ساتھ کیا ان کے دل ایک جیسے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ حق کے علم برداروں کو اس قسم کے فاسق و فاجر لوگوں کے فریب سے محفوظ رکھے اور ان کی مکاریوں سے بچائے

وَقَدْ جَوَّبْنَاهُمْ نَشْرًا ۖ اُنْتُ مِنْهُمْ خَبَاطٌ بِالْمُهَيْمِنِ فَسْتَجِيرُ
میں نے ان کو آزمایا تو خبائثت کو دیکھا۔ ہم حفاظت کرنے والے کی پناہ مانگتے ہیں۔

ان کے علماء کی حالت

ان کے ائمہ اور علماء تو ناسق فاجر ، اور صوفی جابل تھے اللہ تعالیٰ نے یہود کے علماء کی حالت بیان کرتے ہوئے سورۃ البقرہ میں فرمایا :

اَفَتَطْمَعُونَ اَنْ يُّؤْمِنُوا بِكُمْ
وَقَدْ كَانَتْ فَرِيقَتٌ مِنْهُمْ
يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ
يَعْرِفُونَ مِنْ بَعْدِ مَا عَزَّرُوْا
وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ، وَاِذَا لَقُوا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا
وَاِذَا خَلَا بِعَضُوْهُمْ اِلٰى بَعْضِ
اٰتَحٰثُوْنَهُمْ بِمَا فَعَلَ اللّٰهُ
عَلَيْكُمْ لِيَجْازُوْكُمْ بِهِ عِنْدَ
رَبِّكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ،
اَوْ لَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ
مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ
وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ
الْكِتٰبَ اِلَّا اَمَاقٍ وَاِنَّ
هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ، قَوْلُ
الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ اَلْكِتٰبَ

کیا تم کو توقع ہے کہ یہودی تمہاری باتوں پر یقین کر لیں گے اور ایک فرقہ ان میں ایسا گذرا ہے جو اللہ کا کلام سنتا تھا اور سمجھ جانے کے بعد جان بوجھ کر بدل ڈالتا تھا اور جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں اپنے لوگوں میں تو کہتے ہیں تم کیوں بتلا دیتے ہو مسلمانوں کو وہ باتیں جو اللہ نے تم کو بتلائیں کیا اس لیے کہ وہ سند لائیں تمہارے مالک کے پاس (قیامت کے دن) کیا تم کو عقل نہیں ہے کیا یہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کھلی اور چھپی دونوں باتیں جانتا ہے اور ان میں سے بعض ان پر ٹھہرے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نہیں جانتے مگر آرزو میں اور گمان ہی گمان رکھتے ہیں۔

يَا أَيُّدِيهِمْ شَرًّا يُكُونُ هَذَا
مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْتَرَوْا بِهِ
ثَمَنًا قَلِيلًا، قَوْلُ لَّهُمْ
مِمَّا كُنْتُمْ آيِدِيهِمْ
وَقَوْلُ لَّهُمْ مِمَّا
يَكْسِبُونَ (البقرہ ۲۵-۲۹)

تو خرابی ہے ان کے لیے جو ایک کتاب
اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ
اللہ کے پاس سے اتری ہے۔ ان کا
مطلب یہ ہے کہ اس کو بیچ کر تھوڑا مول
لے لیں۔ ہاتھ خرابی ان کی اس لکھائی پر
اور واسطے خرابی ان کی اس کمائی پر۔

اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ یہود کے اسلاف سے ایک فریق یعنی
اجبار کا یہ حال ہے کہ وہ توراۃ سنتے اور پھر اپنی اغراض کے مطابق اس کی غلط
تاویلیں کر لیتے بلکہ وہ اپنے پاس سے کلام بنا کر توراۃ کی عبارت میں تحریف
کر دیتے۔ جبکہ انہوں نے ان آیات کو بدل ڈالا تھا جن میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے اوصاف مذکور تھے۔ چنانچہ آنحضرت کے اوصاف میں یہ مذکور تھا کہ
سفید رنگ درمیانہ قد و قامت کے ہوں گے مگر انہوں نے اسمر طویل کے
الفاظ لکھ دیئے تھے۔ یعنی وہ گندمی رنگ کے اور دراز قامت ہوں گے۔ اسی
طرح انہوں نے آیت رجم کو ”چہرہ پر سیاہی ملنا“ سے تبدیل کر دیا۔ جیسا کہ
صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

ان کا دوسرا طبقہ ان پر لڑھ اور عوام کا تھا جو جھوٹے دعاوی اور غلط روایات
کو اپنے سینوں میں پائے ہوئے تھا۔ اس سے مراد جاہل منقلد... ہیں جنہیں کسی
قسم کا ادراک و شعور نہیں۔ مفصل بحث کے لیے تفاسیر کی طرف رجوع کریں
یہاں پر اس سے صرف مقصد یہ ہے کہ تحریف کلام خواہش کی پیروی اور
ازراہ جہالت اللہ پر بہتان طرازی یہ سب جاہلی خصلتیں ہیں۔ اور آج کل کے
بڑے علماء اور مشائخ کا بھی یہی حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بلا علم باتیں
بناتے ہیں اور خواہش کی پیروی اور نفوس کی تاویلات میں حد سے تجاوز
کر گئے ہیں جس سے اسلام کو شرم آ رہی ہے۔ ہر کام اللہ کے سپرد ہے۔

اولیاء اللہ ہونے کا دعویٰ

وہ گمان کرتے کہ تمام لوگوں میں وہی اللہ کے پیارے ہیں۔

چنانچہ سورۃ الحجۃ میں فرمایا:-

قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
هَآؤُلَآءِ إِن زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ
أَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِن دُونِ
النَّاسِ فَتَمَتُّوا الْمَوْتَ
إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ، وَ
لَن يَتَمَتُّوا أَبَدًا إِنَّمَا
تَدْمَتُ أَيُّوْمُهُمْ وَاللّٰهُ
عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ، قُلْ إِنَّا
أَمَوْتَ النَّفْسِ تَفَرَّدَتْ
مِنْهُ فَنَاسَتْهُ مُلْقِيكُمْ
شَمَّ تَرُدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ،

اے پیغمبر کہد دیجئے اے یہودیو تم جیسے
سمجھتے ہو کہ سب لوگوں کو چھوڑ کر ہم ہی
اللہ کے چہیتے ہیں اگر تم سچے ہو تو جہلا
موت کی تو آرزو کرو اور یہ یہودی اپنے
ان بُرے کاموں کی وجہ سے جو وہ کر
چکے ہیں کبھی موت کی آرزو کرنے والے
نہیں اور اللہ گنہگاروں کو خوب جانتا
ہے۔ اے پیغمبر ان سے کہہ دیجئے تم
جس موت سے بھاگتے ہو وہ تو ضرور
تم پر آنے والی ہے پھر تم کو خدا کے
پاس لوٹ کر جانا ہے جو چھپی اور کھلی
باتیں جانتا ہے وہ تمہارے کام کا جو
دنیا میں کرتے رہے ہو بدلہ جتلا
دے گا۔

(۶۷-۸)

یعنی المرتبہ ارازم یہ ہے کہ تم اللہ کے پیارے ہو، یہاں پر ان کے اولیاء
ہونے کی نسبت اہل طرف نہیں کی بلکہ ان کا زعم بیان کیا ہے تاکہ حقیقتاً

اولیاء اللہ اور مدعیان ولایت میں فرق ظاہر ہو جائے۔ پھر اگر تمہارا یہ گمان صحیح ہے تو موت کی تمنا کرو تا کہ دنیا کی تکالیف سے نجات پا کر آخرت کی دائمی راحت اور سکون تمہیں حاصل ہو جائے۔ کیونکہ جس شخص کو یہ یقین و اُلُق ہو کہ وہ مرتے ہی جنت میں پہنچ جائے گا تو وہ اس دارال تکلیف سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دعوت کا حکم دیا گیا تا کہ ان کا کذب ظاہر ہو جائے کیونکہ وہ اللہ کے بیٹے اور محبوب ہونے کے مدعی تھے اور ان کا دعویٰ تھا کہ آخرت خاص انہی کے لیے ہے اور وہ کہا کرتے:

لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَتْ
هُودًا اَوْ نَصَارٰی۔

کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے بغیر کوئی داخل نہیں ہو سکے گا۔

مگر قرآن نے ان کی تردید کی اور فرمایا:

تِلْكَ اَ مَا يَتْلُوْنَ ۝۱
بِزُهَا نَكْتُمُ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ
بَلٰی مِّنْ اَسْلَمَ
وَجْهٍ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
قَلَّ اَجْرُكَ عِنْدَ رَبِّهِ وَكَخَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَكَاهُمْ يَجْزَوْنَ۔

یہ ان کی من مانی آرزو میں ہیں اسے پیغمبر! کہہ دے اگر سچے ہو تو اپنی سند لاؤ! بات یہ ہے کہ جس نے اپنا منہ خدا کے سامنے جھکا دیا اور وہ نیک بھی ہے۔ اس کو اپنے مالک کے پاس اپنا ثواب ملے گا اور آخرت میں ایسے لوگوں کو نہ

خوف ہوگا اور نہ غم ہوگا۔

(البقرہ ۱۱۱-۱۱۲)

مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غالب آنے لگے تو مدینہ کے یہود نے خیبر کے یہودیوں کی طرف خط لکھا کہ اگر تم محمدؐ کی پیروی کرو گے تو ہم بھی ان کی اتباع اختیار کر لیں گے اور اگر تم نے مخالفت کی تو ہم بھی مخالفت کر لیں گے تو یہود خیبر نے لکھا: ہم خلیل الرحمنؑ کے بیٹے، ہم سے عزیز ابن اللہ اور انبیاء، آخر عربوں میں کب نبوت رہی ہے؟ ہم محمدؐ سے اس کے زیادہ

حقدار ہیں اور کسی صورت اس کی اتباع نہیں کر سکتے تو اس پر سورۃ الجعر کی آیات نازل ہوئیں اور بتایا کہ یہ موت کی تمنا کرنے والے نہیں۔ یہ اس وقت کے غافلین کو چیلنج تھا۔ مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تم میں سے جس نے بھی تمنا کی وہ وہیں ڈھیر ہو کر رہ جائے گا پس کسی نے تمنا نہ کی کیونکہ وہ آنحضرت کی صداقت پر یقین رکھتے تھے اور ان کو معلوم تھا کہ اگر انہوں نے تمنا کی تو اسی آن ختم ہو کر وعید الہی میں گرفتار ہو جائیں گے۔ لہذا یہ بھی آنحضرت کا ایک معجزہ ہے۔

رَبِّمَا قَدْ مَتَّ ابْنٌ بِهَيْهَاتَ اس میں اشارہ ہے کہ وہ اپنے معاصی و کفر پر خوفزدہ ہیں اس لیے وہ تمہاری تمنا کرنے والے نہیں ہیں۔ اور اعصائے انسانی میں سے چونکہ زیادہ تر کام ہاتھ سے سرانجام دیئے جاتے ہیں اس لیے کسب کی نسبت ہاتھ کی طرف کی ہے اور یہ لفظ (یَد) کبھی نفس ذات اور کبھی قدرت سے کنایہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے اور آیت میں واللہ اعلم بہم کی بجائے واللہ اعلم بالنظامین کہہ کر ان کے ظالم ہونے کی تصریح مذمت کے لیے ہے اور قطعی طور پر بتلایا ہے کہ وہ ہر معاملہ میں ظلم و معاصی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے کردار پر انہیں سخت سزا دے گا اس بنا پر پیغمبر کو حکم دیا کہ ان سے کہدو: موت سے چارہ کار نہیں ہے اور مرنے کے بعد تم عالم الغیب والشہادۃ کے سامنے لائے جاؤ گے اور وہ تمہیں تمہارے کفر و معاصی پر خوب سزا دے گا اور اس قسم کی باتیں ظالم اور ملحد لوگوں کی عادت بن چکی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کے مَعْنِ ابْنَاءِ اللہ وَاَحْبَاءِ کے جواب میں فرمایا۔

فَسَلِّ وَسَلِّمْ يٰعِزِّ بَكْسُمْ
بِذُنُوبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ
بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ۔

ان سے پوچھئے اگر حقیقت یہی ہے کہ تم اللہ کے پیارے ہو تو پھر اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کے بدلہ میں تمہیں عذاب کیوں دے گا اصل بات یہ ہے کہ تم بھی انسان اور اس کی مخلوق ہو۔

ملتِ اسلامیہ میں بھی بہت سے لوگوں میں یہ یہودی خصلت سرایت کر چکی ہے بلکہ فرقہ اللہ تعالیٰ کا پیارا.... ہونے کا دعویٰ دار ہے حالانکہ حدیثِ لغز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ ناجیہ کی نشان دہی کرتے ہوئے فرمایا:-

وہم من کان علی مثل ما کہ فرقہ ناجیہ وہ ہے جو میرے اور میرے اصحابیہ و اصحابی صحابہ کے راستہ پر چلے گا۔

(۷۲)

شریعت سے اعراض اور محبتِ الہی کا دعویٰ

وہ لوگ شریعتِ حق پر تو عمل نہ کرتے محض زبانی کامی اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتے۔ چنانچہ سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے ان سے مطالبہ کیا۔

قُلْ اِنَّ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ
اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ
اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ
وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

اے پیغمبر! ان سے کہہ دو اگر تم کو اللہ کی محبت ہے تو میری راہ پر چلو اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(آل عمران - ۳۱)

حسن بصری اور ابن جریر کا بیان ہے کہ عہدِ نبوی میں بہت سے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کیا اور کہنے لگے یا محمد! انا نحب ربنا کہ اے محمد! ہم اپنے پروردگار سے محبت کرتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

صنعاک نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

مسجد حرام میں قریش کے پاس آئے انہوں نے بُت نصب کر رکھے تھے اور ان پر شتر مرغ کے انڈے لٹکائے ہوئے تھے ان کے کانوں میں بالیاں ڈال رکھی تھیں وہ ان کے سامنے سجدہ ریز ہو رہے تھے اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے قریش! تم نے اپنے باپ ابراہیم اور اسماعیل کی ملت کی مخالفت اختیار کر رکھی ہے وہ دونوں مسلمان تھے تو قریش نے جواب دیا: اے محمد! ہم اللہ کی محبت کے لیے ان کی پوجا کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور ابوصالح کی روایت میں ہے کہ یہود نے جب اللہ تعالیٰ کے انباء اور اجزاء ہونے کا دعویٰ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے سامنے یہ آیت پیش کی تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

محمد بن اسحاق نے محمد بن جعفر بن زبیر سے روایت کی ہے کہ یہ آیت نجران کے عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم حضرت مسیح کی تعظیم اور عبادت اللہ کی محبت اور تعظیم کے پیش نظر کرتے ہیں تو ان کی تردید کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔
خلاصہ بحث یہ ہے کہ جو شخص معاصی کا مرتکب ہو وہ اللہ کی محبت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے

تعصى الله وانت تظهر حبه هذا لعمري في القياس بدیع

لو كان حبك صادقا لا طعنته

ان المحب لمن يحب مطيع

”کہ تم اللہ کے نافرمان ہو اور اس کی محبت ظاہر کرتے ہو بخدا یہ عجیب و غریب قیاس ہے اگر تم محبت کے دعویٰ میں سچے ہوتے تو اس کی اطاعت کرتے کیونکہ محب اپنے محبوب کا فرمانبردار ہوتا ہے۔“

جھوٹی آرزوئیں

یہود و نصاریٰ اللہ تعالیٰ پر خام خیالیاں اور جھوٹی آرزوئیں باندھتے۔

چنانچہ سورۃ آل عمران میں ہے:-
 اَلَمْ تَدْرَاۤلِیَ الَّذِیۡنَ اُذۡنُوۡا
 نَصِیۡبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُدۡعَوۡنَ
 اِلٰی كِتٰبِ اللّٰهِ لَیَحۡکُمَ بَیۡنَهُمۡ ثُمَّ
 یَتَوَلٰۤی فِرۡقٌ مِّنۡهُمۡ وَ هُمۡ
 مُّعۡرِضُوۡنَ ذٰلِکَ بِاَنۡفُسِهِمۡ
 قَالُوۡۤا لَکَۢنَّ تَمَسَّنَا الشَّارِکُ اِذۡ
 اٰتٰیۡنَا مَعۡکَ ذٰلِکَ وَ
 غَرٰہُمۡ فِیۡ دِیۡنِهِمۡ مَا
 کَانُوۡۤا یَفۡتَوۡنَ

راے پیغمبر آپ نے ان لوگوں کو نہیں
 دیکھا جن کو اللہ کی کتاب کا کچھ علم دیا گیا
 تھا کہ ان کو اللہ کی کتاب کی طرف فیصلہ
 کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے تو ایک فرقہ
 ان میں کا پیٹھ موڑ کر چل دیتا ہے اور وہ
 جان بوجھ کر تغافل کرتے ہیں یہ حرکتیں
 اس لیے کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں ہم آگ
 میں نہیں جاتیں گے مگر چند گنتی کے دن
 اور جو باتیں انہوں نے دین میں بتا رکھی
 ہیں ان پر پھول گئے۔

(آل عمران ۲۲-۲۴)

ابن اسحاق اور ایک جماعت نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے
 کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہود کے بیت المدراس میں داخل ہوئے اور ان کو
 اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تو نعمان بن عمرو اور حارث بن زید نے کہا:
 ”محمد! آپ کس دین پر ہیں؟“ آپ نے فرمایا ”میں ملت ابراہیم پر ہوں۔“
 اس پر انہوں نے کہا ابراہیم تو یہودی تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر ایسے ہی ہے تو توراۃ لاؤ اس کے

فیصلہ کو ہم مان لیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور البحر میں ہے کہ ایک یہودی نے کسی عورت سے زنا کا ارتکاب کیا اور ابھی تک دین اسلام میں رجم کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ مجرم چونکہ اعلیٰ خاندان کے تعلق رکھتے تھے اس لیے تخفیف کا حکم حاصل کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ لے گئے۔ آنحضرت نے فرمایا میں تمہاری کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ توراۃ میں رجم نہیں ہے۔ آنحضرت نے فرمایا: اچھا توراۃ لاؤ اور پڑھ کر سناؤ۔ چنانچہ قرأت کے وقت جبرہم بن صوریا نے آیت رجم پر ہاتھ رکھ لیا تو عبد اللہ بن سلام نے کہا کہ اللہ کے رسول! یہ آگے گزر گیا ہے چنانچہ اس نے ہاتھ اٹھا لیا اور توراۃ کے مطابق انہیں رجم کیا گیا، اس پر یہود ناراض ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اور فرمایا یہ تو لی اور اعراض محض اس لیے کر رہے ہیں کہ ان کے اعتقاد میں یہ راسخ ہو چکا ہے کہ ”میں چند دن کے سوا آگ نہیں چھوئے گی“ اس بنا پر یہ بے شرمی سے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ اور ایام معدودہ سے ان کی مراد بچھڑے کی عبادت کے دن تھے۔ چنانچہ اس افتراء اور کذب نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے کبھی لمن تمسنا النار کا دعویٰ کرتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں سخن ابناء اللہ و احباءہ کہ ہم اللہ کے چہیتے ہیں اور ہمارے آباء و اجداد اللہ کے نبی تھے ہماری سفارش کر کے چھڑا لیں گے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب سے وعدہ کیا ہے کہ ان کی اولاد کو صرف تحلۃ القسم کے لیے تھوڑا سا عذاب دیا جائے گا۔ چنانچہ ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔

فَلَيْفَ إِذَا جِئْنَا هُمْ بِسُورٍ
كَذِيبٍ فِيهِ وَوَقِيتُ كُلُّ
نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا
يُظْلَمُونَ، (آل عمران ۲۵)

پھر جس دن کے آنے میں شک و شبہ
نہیں اس روز ہم انہیں اکٹھا کریں گے تو
ان کا کیا حال ہوگا اور سر آدمی کو ان کے کیتے
کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور کسی کا حق نہیں مارا جائیگا

مروی ہے کہ محشر میں کفار میں سے سب سے پہلے یہود کے جھنڈے کو بلند کیا جائے گا اور اہل محشر کے سامنے اللہ تعالیٰ ان کو رسوا کرے گا پھر حکم ہو گا کہ انہیں آگ میں بے جاؤ۔

اسی طرح فی زمانہ بھی بہت سے لوگ شفاعت اور حسب و شرف پر عبور کر کے معاصی کا ارتکاب کر رہے ہیں سورۃ البقرہ میں ان کی تردید کرتے ہوئے

فرمایا:-

وَقَالُوا لَنْ نَمُوتَ نَحْنُ الْمَنَارُ الْآ
آيَا مَا مَعَدُّ ذُنُوبِكُمْ أَتَخَذُونَنَا
عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ
اللَّهُ عَهْدَهُ أَ تُمْنُونَ عَلَى
اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ، بَلَى مَنْ
كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ
خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ
فِيهَا خَالِدُونَ (البقرہ ۸۰-۸۱)

اور کہتے ہیں دوزخ کی آگ ہمیں چھوئے
گی بھی نہیں مگر گنتی کے چند روز تو کھدے
کیا تم نے اللہ سے کوئی اقرار لے لیا ہے
کہ وہ اپنے اقرار کے خلاف نہیں کرے
گا یا تم اللہ پر وہ باتیں جوڑتے ہو جو جانتے
نہیں۔ ہاں جس نے بھی گناہ کیا اور گناہ کے
پھیر میں آگیا وہی دوزخی ہیں، ہمیشہ اس
میں رہیں گے۔

(۷۴)

صالحین کی قبروں کو مسجدیں بنانا

انبیاء کرام اور صالحین کی قبروں کو مسجدیں بنانا اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی سنت ہے چنانچہ اس کے متعلق صحیح حدیث میں وارد ہے۔

لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا
قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسْجِدًا۔
اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ
انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی نے اس گمراہی سے دُور رہنے کی ہدایت فرمائی فَلَا تَتَّخِذُوا مَسَاجِدَ كُفْرًا كَمَا كُنْتُمْ تُبْنِي بَنِي أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا يُصَلُّونَ عَلَى قَبْرِهِمْ بِمِثْلِ الْقُرْآنِ الَّذِي يُنَادُونَ بِهَذَا مُبْتَدِعِينَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ اللَّهِ عَالِمُ الْغُيُوبِ یہ حدیث صحیحین میں حضرت ابو مرزوق سے بھی مروی ہے جس میں قَاتِلُ اللَّهِ الْيَهُودُ کے الفاظ ہیں اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے:

لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ كُفْرًا كَمَا كُنْتُمْ تُبْنِي بَنِي أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا يُصَلُّونَ عَلَى قَبْرِهِمْ بِمِثْلِ الْقُرْآنِ الَّذِي يُنَادُونَ بِهَذَا مُبْتَدِعِينَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ اللَّهِ عَالِمُ الْغُيُوبِ کہ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مَسَاجِدِ (مسجد) بنا لیا۔

اور صحیحین میں حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں گھبرا کر چادر مبارک چہرہ پر ڈال لیتے اور پھر بے چینی کی حالت میں اتار پھینکتے اور فرماتے:

لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ يَحْذَرُ مَا صَنَعُوا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا لیا۔ آپ اپنی امت کو ان کے کردار سے ڈراتے۔

نیز صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ام سلمہؓ اور ام حبیبہؓ رضی اللہ عنہن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک عیسائی عبادت گاہ (گرگہ) مار یہ نامی کا ذکر کیا جو وہ حید میں دیکھ کر آتی تھیں اور انہوں نے اس کی خوبصورتی اور تصاویر بیان کیں اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أُولَئِكَ قَوْمٌ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الْعَبْدُ الصَّالِحُ أَوِ الْحَبْلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ

ان لوگوں میں جب کوئی نیک بندہ مر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے اور یہ تصویریں اس میں رکھ دیتے یہ لوگ

مسجداً أو صوّراً فيه تلك الصور اللہ تعالیٰ کے ہاں بدترین مخلوق
اولئک شر الخلق عند اللہ۔ میں۔

اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو قبروں کی زیارت کے لیے جاتی
ہیں۔ نیز ان پر قبتے بنانے اور چراغاں کرنے والوں پر بھی لعنت
فرمائی۔ (سنن اربعہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس لعنت اور تحذیر سے معلوم
ہوتا ہے کہ قبروں پر مسجدیں بنانا اور ان پر چراغاں کرنا یہود و
نصارے کی گمراہی ہے اور ان کی مشابہت ہے لہذا اس قسم کی
تمام بدعات سے دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے جن کی وجہ سے
قبر کی تعظیم ہو۔

فی زماننا اکثریت (اور سواد اعظم کے دعوے دار) اسی گمراہی
میں مبتلا ہیں کہ وہ قبروں کو مساجد بناتے ہوئے ہیں یا بدوں عمارت
کے ان کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے۔ حالانکہ ان دونوں پر ہی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور سنت نے ایسا کرنے والوں
کو ملعون قرار دیا ہے۔

یہاں پر ہم ان احادیث و آثار کا استقصاء نہیں کر سکتے جو اس باب
میں وارد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین شدت کے ساتھ اس سے
منع فرماتے۔

آسمانِ انبیاء کو مساجد بنانا

اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی بدعات اور گمراہیوں میں سے ایک گمراہی یہ بھی تھی کہ وہ اپنے انبیاء کے نشانات کی جگہ پر مسجدیں تعمیر کرتے جیسا کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔

اس اُمت کے گمراہ اور جاہل لوگ بھی ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور جہاں کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھپے ہیں یا آپؐ نے قدم مبارک رکھا ہے ان جگہوں پر مسجدیں بنا رہے ہیں۔ شریعت محمدیہ میں کسی حال بھی یہ کام محمود نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ غلو کی طرف لے جاتا ہے اور عراق میں متعدد مقامات ہیں جن پر عمارتیں کھڑی ہیں۔ مثلاً ایک مقام حضرت پیر جیلانی کی عبادت گاہ ہے جہاں پر عمارت بنی ہوئی ہے اور ایک مقام پر پتھر ہے جس پر پنجے کا نشان ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت علیؓ کی پتیلی کا نشان ہے اس لیے وہاں پر انہوں نے مسجد بنا رکھی ہے۔

اور بہت سے مقامات کے متعلق لوگوں میں مشہور ہے کہ وہاں پر حضرت خضرؑ کی زیارت ہوتی ہے اس لیے ان جگہوں پر مسجدیں تعمیر کر رکھی ہیں حالانکہ ان کہانیوں کی کچھ حقیقت نہیں۔ لہذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ ان مقامات سے اجتناب کرے اور لوگوں کو ایسے مقامات پر جانے سے منع کرے خواہ اُسے تکالیف کا سامنا ہو اور شریعہ لوگوں کی عبادت کا نشانہ بننا پڑے۔ اب ہم اس مسئلہ پر کچھ تفصیل سے بحث کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ

انبیاء اور صالحین کے وہ مقامات جہاں پر انہوں نے اقامت کی یا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے لیکن انہوں نے وہاں پر مسجد تعمیر نہیں کی ان کے متعلق علماء کے دو قول ہیں:

(الف) ایک یہ کہ ان مواضع کا عبادت کے لیے قصد کرنا ممنوع ہے۔
 الا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا قصد فرمایا ہو اور وہاں پر عبادت کو مشروع قرار دیا ہو۔ جیسا کہ مقام ابراہیمؑ پر آپؐ نے قصد و ارادہ سے نماز پڑھی اور یا نماز کے لیے مسجدوں کا قصد کیا جاتا ہے۔ یا صفت اول میں شامل ہونے کی کوشش کی جائے۔

(ب) دوسرا قول یہ ہے کہ کبھی کبھار ایسا کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان مواضع میں قصداً نماز ادا کرتے جہاں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔ اور اسی راستہ پر چلنے کی کوشش کرتے جہاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزرے خواہ آپؐ اتفاقاً ہی گزرے ہوں۔

امام احمد کا فتوے

امام احمد بن حنبلؒ سے ان مواضع و مشاہد میں جانے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

”اس سلسلہ میں ایک روایت تو این ام مکتوم کی ہے کہ انہوں نے آنحضرتؐ

لے لیکن حضرت عمرؓ اس کے خلاف تھے۔ جیسا کہ آئندہ آ رہا ہے نیز دیکھیے التوسل والوسید

للمحافظ ابن تیمیہ ص ۱۰

سے درخواست کی کہ آپ میرے مکان میں تشریف لائیں اور دو رکعت نماز پڑھویں تاکہ میں اس جگہ کو مصلیٰ بنالوں۔ اور دوسرے حضرت ابن عمرؓ کا عمل ہے کہ وہ ان مواضع کا تتبع کیا کرتے تھے جہاں پر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا ہے لہذا ان مشاہد پر چلے جانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ مگر لوگ اس میں افراط کر رہے ہیں اور کثرت سے آتے جاتے ہیں۔

اسی طرح احمد بن قاسم نے امام احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے کہ ان سے مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہد کی زیارت کرنے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ابن ام مکتوم والی حدیث کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ میرے گھر پر تشریف لا کر نماز پڑھیں تاکہ میں اس جگہ کو جہتے نماز کے لیے مقرر کر لوں اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا فعل کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مواضع سفر کا نہایت انتہام سے تتبع کرتے تھے حتیٰ کہ جب ان سے ایک خاص جگہ پر پیشاب کرنے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ پر پیشاب کرتے دیکھا ہے۔ لہذا ان دونوں روایتوں کی رو سے تو جاتے رہے۔ لیکن لوگ اس میں افراط کر رہے ہیں اور کثرت سے آتے جاتے ہیں اور اس سلسلہ میں حضرت حسینؓ کی قبر کا ذکر بھی کیا کہ وہاں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ خیال نے کتاب الادب میں یہ دونوں روایات نقل کی ہیں۔

امام احمد نے ان مواضع و مشاہد کی تفصیل بیان کی ہے جہاں پر مساجد نہیں ہیں، ان میں بعض تو وہ ہیں جن کی زیارت کرتے ہیں لیکن مسئلہ نہیں لگاتے۔ اور بعض مواضع وہ ہیں جن پر میلہ لگایا جاتا ہے اور اس ضمن میں انہوں آثار و اقوال صحابہ جمعہ کر دیئے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں موسیٰ بن عقبہ سے روایت کی ہے کہ میں نے سالم بن عبد اللہ کو دیکھا کہ وہ ان مواضع کی تحری کر کے نماز پڑھتے اور بیان کرتے کہ ان کے والد

راہن عمر، ان جگہوں میں نماز پڑھ کر تے تھے اور وہ بیان کرتے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مواضع میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ پس اس صورت میں امام احمد بن حنبل نے رخصت دی ہے کہ کوئی احیاناً ایسا کر سکتا ہے۔

اب رہی اس کی کراہت اور ممانعت، تو اس کے متعلق سعید بن منصور نے اپنے سنن میں معمر بن سواد سے روایت کی ہے کہ ہم حضرت عمرؓ کے ساتھ حج کے لیے گئے تو حضرت عمرؓ نے صلوٰۃ الفجر کی رکعت اول میں سورۃ البقرہ اور دوسری میں سورۃ الباقہ قریش قرأت کی۔ راستہ میں حج سے واپسی پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو دیکھا کہ ایک مسجد کی طرف دوڑ رہے ہیں اس پر آپؐ نے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی تھی تو آپؐ نے فرمایا:

”اسی طرح تم سے پہلے اہل کتاب ہلاک ہو چکے ہیں انہوں نے اپنے انبیاء کے آثار کی جگہ پر عبادت خانے تعمیر کر لیے۔ اگر اس جگہ نماز کا وقت ہو جائے تو نماز پڑھ لیا کرو ورنہ آگے چلے جاؤ۔ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز کی جگہ کو عید بنانے سے منع فرمایا ہے اور واضح کیا ہے کہ اہل کتاب اسی غلو کی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں کہ وہ اپنے انبیاء کے آثار کا تتبع کرتے اور وہاں پر گرجے اور عبادت خانے تعمیر کر لیتے۔“

محمد بن وضاح وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے وہ درخت اکھڑوا دیا تھا جس کے نیچے حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے بیعت لی تھی۔ کیونکہ لوگ اس کے نیچے جاتے تو حضرت عمرؓ کو اندیشہ ہوا

کہ کہیں لوگ اس کی عبادت ہی شروع نہ کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ قبول کرنا چاہیے جو کہ جمہور صحابہ کا مسلک ہے اسی پر عمل کرنا ضروری ہے نہ کہ اس پر جو ان کے بیٹے ابن عمرؓ نے اختیار کیا۔

(۷۶)

قبروں پر چراغاں کرنا

قبروں پر چراغاں حرام ہے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے والوں پر لعنت کی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، کا ش آپ ان قندیلوں کو دیکھتے جو ائمہ اہل بیت کی تربتوں پر روشن کی جاتی ہیں۔ خصوصاً رمضان المبارک اور متبرک راتوں میں کہ لوگ نہایت اسراف کرتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ وہ نیک کام کر رہے ہیں۔

(۷۷)

قبروں پر میلے لگانا اور عرس قائم کرنا

قبروں پر میلے لگانا اور عرس قائم کرنا یہود و نصاریٰ کی سنت ہے یاد رکھیے کہ عید ہر اس اجتماع کو کہا جاتا ہے جو معتاد طریقہ سے سال بسال قائم کیا جاتے یا ہفتہ اور یا مہینہ میں ایک مرتبہ ہو۔ پس فقط عید چنید امور کا جامع ہے۔ ایک

سہ مصر اور پاک و ہند میں مولود شریف منایا جاتا ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ یوم میلاد ہے یا منسۃ میلاد مناتے ہیں۔

خاص دن لوٹ کر آتا ہے جیسے عید الفطر یا جمعہ کا دن اور اس دن کے عود کے ساتھ اس میں اجتماع پایا جاتا ہے۔ تبصرے اس میں بطور عبادت یا عادت کچھ اعمال سرانجام دیئے جاتے ہیں اور کبھی اس کی جگہ بھی معین ہوتی ہے۔ مثلاً عراق کے مسلمانوں نے ہر ولی کی تربت کے لیے ایک دن معین کر رکھا ہے جس میں وہ زیارت کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ مثلاً زیارت عزیر اور زیارت مرزا الراس اور بعض کے لیے ہفتہ میں ایک دن مقرر ہے۔ مثلاً جمعہ فلاں کے لیے اور منگل وار فلاں کے لیے وغیرہ اسی طرح بعض دنوں اور راتوں کی تعیین جیسے لیلة القدر ایام عید، لیلة نصف شعبان وغیرہ جن پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔

(۷۸)

قبر کے پاس جانور ذبح کرنا

قبر کے پاس مزدنیاز کے جانور ذبح کرنا جاہلیت کی پُرانی عادت تھی۔ سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ بلیت انہما بھیجی کا اعلان کریں اور کہیں:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ
وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ، لَا
شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذَا اِلٰكَ
اٰمَرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ،
آپ کہہ دیجیے کہ میری نماز اور قربانی
اور میرا جینا اور مرنا سب اللہ تعالیٰ ہی
کے لیے ہے جو سارے جہان کا مالک
ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور مجھ کو
بھی حکم ہوا ہے اور میں امت میں سب

(الانعام ۱۴۲-۱۴۳) سے پہلے اس کا تابعدار ہوں۔

اہل جاہلیت کی ترویج کے بعد آپ کو حکم دیا گیا کہ مشرکین کے سامنے

جو غیر اللہ کی عبادت کر رہے ہیں اور ان کے لیے جانور ذبح کرتے ہیں اعلان
 کر دیجیے کہ مجھے نماز اور ذبیحہ میں خالص ایک اللہ کی بندگی کا حکم دیا گیا ہے
 چنانچہ آپ کو مشرکین کی مخالفت اور ان کے طریقے سے انحراف کا حکم دیا۔ اور
 قصد و نیت اور عزم میں اللہ کے لیے اخلاص کا حکم دیا گیا۔ پس جو شخص غیر اللہ سے
 اس کی تعظیم کے لیے اس کا تقرب حاصل کرے تاکہ کوئی تکلیف دور کرے یا
 خیر حاصل کرے تو یہ شرک و کفر امتقادی ہے۔ جس میں پہلے لوگ گرفتار
 تھے۔ اسی بنا پر بڑے امور کو شروع کرتے وقت تسبیح کا حکم دیا گیا ہے، تو
 غیر اللہ کے لیے ذبح کی نیت بالاولیٰ ممنوع ہوگی اور صحیح حدیث سے ثابت
 ہے کہ جاہلیت میں ایک شخص نے قبرستان میں جانور ذبح کرنے کی نذر
 مانی اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی نذر پوری کرنے کی اجازت
 مانگی تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا وہاں پر کوئی بت تھا یا جاہلیت
 میں مشرکین کا میلا ہوتا تھا؟ اس نے نفی میں جواب دیا اس پر آپ نے فرمایا:
 فَأَذِثْ بِنَذْرِكَ ۞ تب اپنی نذر پوری کر لو۔

یہ شخص موحد تھا اور اللہ کے تقرب کے لیے ایسا کر رہا تھا۔ لیکن جو جگہ
 جاہلیت میں بت پرستی کا مرکز بنی رہی ہو یا وہاں پر مشرکین میلہ لگاتے
 رہے ہوں وہ ممانعت کا سبب بن سکتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم نے ان چیزوں کی تسلی حاصل کر لینے کے بعد اسے اجازت دی تھی۔
 اگر آپ کو ایسی کوئی بات معلوم ہو جاتی تو آپ قطعاً اجازت نہ دیتے۔ اور
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ توحید کی حفاظت اور ذریعہ شرک قطع کرنے
 کے لیے کہا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ یہ بھی
 ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

وَدَخَلَ الْجَنَّةَ رَجُلٌ فِي ذَبَابٍ وَ
دَخَلَ النَّارَ رَجُلٌ فِي ذَبَابٍ
قَالُوا كَيْفَ ذَٰلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟
قَالَ مَرَّ جُلَدَانِ عَلَى قَوْمٍ لَهُمْ
مَنْعٌ كَمَا يَبْجَاوِزُهُ أَحَدُ
حَتَّى يَقْرَبَ لَهُ شَيْئًا قَالُوا
لَهُ قَرَبٌ وَلَوْ ذَبَابًا
فَقَرَّبَ ذَبَابًا فَخَلَّوْا
سَبِيلَهُ فَدَخَلَ النَّارَ
وَقَالُوا لِلْآخِرِ قَرَبٌ
قَالَ مَا كُنْتَ لَا تَقْرَبُ
شَيْئًا كَاحَدٍ، دُونَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ
فَضَرَبُوا عُنُقَهُ فَدَخَلَ
الْجَنَّةَ۔

کہ ایک شخص ایک مکھی کی وجہ سے دوزخ
میں چلا گیا اور دوسرا ایک مکھی کی وجہ
سے جنت میں پہنچ گیا۔ لوگوں نے عرض
کیا کہ اللہ کے رسول! یہ کیسے؟ تو آپ
نے فرمایا کہ دو شخص کسی قوم کے بت کے
پاس سے گزرے اور جو بھی وہاں سے
گزرنا وہ بت کے لیے نذرانہ مانگتے
چنانچہ ان سے بھی انہوں نے نذرانہ مانگا
اس پر ایک نے تو مکھی کا نذرانہ دے
دیا وہ آگ میں چلا گیا اور دوسرے سے
جب نذرانہ مانگا گیا کہ وہ ایک مکھی ہی
پیش کر دے اس کے انکار کرنے پر
انہوں نے اس کی گردن مار دی تو وہ
جنت میں پہنچ گیا۔

اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں، جس نے تقرب حاصل کرنے
کے لیے مکھی پیش کر دی وہ آگ میں چلا گیا اس نے قصد و نیت سے یہ
کام نہیں کیا تھا بلکہ وہ مسلمان تھا اور ان کے شر سے عجات حاصل کرنے
کے لیے اس کا ارتکاب کیا تھا اور اس حدیث میں یہ بھی فائدہ پایا جاتا ہے
کہ اعمالِ قلبیہ کی حفاظت کرنا چاہیے جو ایمان کا رکن اکبر اور اس کا مقصود
اعظم ہے۔ پس آپ کو غور کرنا چاہیے اور اپنے تمام اقوال میں اپنے تلب
پر نظر رکھنا چاہیے اور پھر جو کچھ علماء نے اس سلسلہ میں بیان کیا ہے
اسے توجہ سے سننا چاہیے اور حق و باطل میں امتیاز کرنا چاہیے کہ حق واضح
اور باطل ملتبس ہوتا ہے اور مشرکین جو بتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب

حاصل کرتے تھے کہ یہ اللہ کے یہاں ان کی شفاعت کر دیں گے، یا اللہ کے رسولؐ، فرشتے یا اولیاء اللہ ان کی شفاعت کر دیں گے۔ ان کے اس اعتقاد پر غور و فکر کرنے سے موجودہ دور کے لوگوں کا مذہب واضح ہو جائے گا کہ دونوں میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔
(واللہ المستعان)

(۷۹)

بزرگوں کے آثار سے تبرک

جاہلیت میں عرب اور اہل کتاب اپنے بڑوں کے آثار کو تبرک سمجھتے جیسے دارالندوہ وغیرہ اور جن لوگوں کے ہاتھ میں وہ ورثہ آجاتا وہ اس پر فخر کرتے۔ چنانچہ حکیم بن حزام کے قبضہ میں دارالندوہ تھا اس نے حضرت معاویہ کے ہاتھ ایک لاکھ میں فروخت کر دیا اس پر کسی نے طعن دیا۔
”تم نے قریش کی عزت فروخت کر ڈالی؟ تو اس نے جواب دیا:
”اسلام کے بعد تقویٰ کے سوا تمام عزتیں ختم ہو گئیں۔“

اس گمراہی کی جڑیں جاہل مسلمانوں کے قلوب کی وادیوں میں پھیلی ہوئی ہیں اور وہ جاہلی عرب اور اہل کتاب سے بھی بڑھ کر اس میں غلو کرنے لگے ہیں۔ اور حکیم بن حزام قریشی اسدی نے طعن کرنے والے کو جو جواب دیا۔
اس میں کچھ تعجب کی بات نہ تھی، کیونکہ حکیم بن حزام فاضل متقی اور بڑے مالدار تھے۔ انہوں نے جاہلیت میں ایک سو کے قریب گز میں آزاد کی بھتیں۔
اور ایک سو اونٹ سواری کے لیے رکھے ہوتے تھے۔ اور مسلمان ہونے کے بعد حج کو آئے تو ایک سو بدینہ اپنے ساتھ لائے تھے جن پر جبری چادر ول کے

پوشش تھے اور ان کو اتنا کر صدقہ کر دیا تھا۔ علاوہ انہیں عرفہ میں ایک سو غلام
وقت کر دیئے۔ ان کی گردنوں میں چاندی کی تختیاں تھیں جن پر ”عقار اللہ“ حکیم بن حزام
کنداں تھے اور ایک بکری کی قربانی دی۔ ساٹھ سال جاہلی
زندگی گزاری اور ساٹھ سال اسلامی زندگی بسر کی اور بیت الحرام میں
مولود ہوئے۔

(۸۰)

حسب و نسب پر فخر

(۸۱)

ستاروں سے ہارش طلب کرنا

(۸۲)

دوسروں کے نسب پر طعن

(۸۳)

نوحہ گری

جاہلیت میں یہ چاروں چیزیں تھیں اور ان کے بھان کے لیے صحیحین
کی ایک حدیث ہی کافی ہے۔

ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اربع فی امتی من امر الجاہلیۃ کا یترو کو نہن چیزیں باقی رہیں گی اور لوگ ان کو

الفخر فی الاحساب، والطعن فی
الانساب والاکستقاء بالنجوم
والناجیة او قال المناجیة
اذا لم تتب قبل موتها
تقام یوم القیامة وعلیہا سورال
من قطران ودرع من جرب۔
زہ پہنا کر کھڑا کیا جائے گا۔

فخر فی الاحساب یعنی اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں پر فخر کرنا۔
اور طعن فی الانساب یعنی دوسروں کی تحقیر کے لیے ان کے آباؤ اجداد پر
عیب لگانا اور اپنے بزرگوں کو دوسروں پر ترجیح دینا۔
الاکستقاء بالنجوم، یہ عقیدہ رکھتا کہ مغرب میں فلاں ستارے کے سقوط
اور مشرق میں فلاں ستارے کے طلوع سے بارش ہوگی۔ چنانچہ جب بارش
ہوتی تو عرب کہا کرتے،
مطونا بنوء کذا
کہ فلاں ستارہ سے بارش ہوتی ہے۔

سورۃ الواقعہ میں ہے:
وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَتَّكُمُ
تُكْذِبُونَ،
اور تم نے اپنا شکریہ یہ بھڑایا ہے کہ
اس کی نعمت کو بھٹلاتے ہو۔
کتب "الانواء" میں یہ باتیں تفصیل سے مذکور ہیں جن پر مزید کی گنجائش
نہیں۔

اور ناسخہ کے متعلق یہ جو فرمایا ہے "وعیہا سد بال من قطران" تو قطران

اسے جیسے منہ برساتے لیکن تم یہ کہو فلاں ستارہ فلاں برج میں آگیا تھا اس لیے بارش
ہوگئی۔ حدیث میں ہے یہ کفر یا اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہے۔
(اشرف الموائی)

یعنی گندھک کا لباس اُسے بطور سزا پہنایا جائے گا کیونکہ وہ اپنا پیشہ چلانے کے لیے سیاہ لباس پہنا کرتی تھی اور خارشتی زرہ بھی بطور سزا پہنائی جائے گی یعنی اس کے اعضاء پر خارشیں مسلط کر دی جائے گی حتیٰ کہ وہ زرہ یعنی قمیص کی طرح اس کے جسم کو چھپالے گی۔ کیونکہ وہ اپنے غم آلود کلمات سے اصحاب مصائب کے دلوں کو جلایا کرتی تھی۔

یہ حدیث ان جاہلی اور گری ہوئی خصلتوں کے بطلان پر دلالت کرتی ہے اور اس امت سے بہت سے لوگ اس سلسلہ میں اپنے پیشروں کو مات کر گئے ہیں اور اس ظنورہ کے سازوں میں اضافہ کا موجب بنے ہوئے ہیں اپنے آباء کی خوبیوں پر فخر کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ ان سے کوسوں دور ہیں مثلاً ایک کہتا ہے ”میرے جد اعلیٰ فلاں بزرگ تھے“ دوسرا کہتا ہے ”میرے دادا جی عالم ربانی تھے، وغیرہ۔

اسی طرح دوسروں پر طعن وغیرہ کا حال ہے کوئی کہتا ہے کہ اس کے آباء عترۃ طاہرہ سے نہیں تھے اور دوسرا کہتا ہے اس کے آباء صاحب حسب نہ تھے یہی حال استفسار بالنجوم کا ہے کہ بہت سے لوگ بارش کے متعلق یہ اعتقاد نہیں رکھتے کہ یہ ارض و سما کے پروردگار کا احسان ہے۔

اور اموات پر نوحہ کو تو بہت سے لوگ افضل الاعمال سے شمار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ خصوصاً جو لوگ ہر سال حسینی ماتم قائم کرتے ہیں۔ یہ بدعات اس قدر ترقی کر چکی ہیں کہ اقدام بھی ان کی تفصیل سے عاجز ہیں۔ اور اگر کوئی شخص ان کو روکنے کی کوشش کرے تو بے اس کی شامت آجاتی ہے اور اس کی جان کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔

کسی شخص کو اُس کے ماں باپ کے فعل پر عار دلانا

جاہلیت میں کسی شخص پر دوسرے کے فعل کی وجہ سے عیب لگانے خصوصاً ماں باپ کے فعل کی وجہ سے عار دلانے کی رسم عام تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مخالفت کی اور ایک شخص کو جب ایسا کہتے ہوئے سنا تو آپ نے اُسے زجر و توبیخ کے لہجہ میں فرمایا:

أَعْيَزْتَهُ بِأَوَّلِهِ؟ إِنَّكَ أَمْرُوٌّ
فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ
ہے بلاشبہ تجھ میں جاہلیت موجود ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب المعاصی من امر الجاہلیۃ میں یہ حدیث بیان کی ہے۔ یعنی معاصی امور جاہلیت سے ہیں اور ان کے مرتکب کو کافر نہیں کہا جائے گا جب تک کہ شرک کا ارتکاب نہ کرے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو کافر نہیں کہا بلکہ صرف یہ فرمایا ہے إِنَّكَ أَمْرُوٌّ نِيكَ الْجَاهِلِيَّةُ کہ تیرے اندر جاہلیت پائی جاتی ہے۔ اور قرآن میں اللہ تعالیٰ نے شرک کے سوا جملہ گناہ بخش دینے کا وعدہ کیا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ
بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ
يَشَاءُ (النساء ۴۸ و ۱۱۶)
بیشک اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ جتنے گناہ ہوں گے سب معاف کر دے گا۔

اور یہ باب امام بخاری نے اپنی صحیح کے کتاب الایمان میں قائم کیا ہے پھر اپنی اسناد کے ساتھ معرور سے بیان کیا ہے کہ میں ربزہ میں ابو ذر سے ملا اس پر حملہ تھا اور اس کے غلام پر بھی حملہ تھا اور ان سے اس کی وجہ

دریافت کی تو ابو ذر نے بتایا کہ میں نے ایک شخص کو گالی دی اور اس کی ماں کے متعلق اسے طعنہ دیا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو ذر! تو نے اس کی ماں پر عیب لگایا ہے؟ بلاشبہ تجھ سے جاہلیت نکلی نہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

اخوانکم خودکم جعلہم اللہ
تحت ایدیکم فمن کان اخوة
تحت یدہ فلیطعمہ منہ
یا کل ویلبسہ مما یلبس
ولا تکفوہم ما یکفوہم فان
کلفتموہم فاعینوہم۔

تمہارے خادموں تمہارے بھائی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے زیر دست بنایا ہے۔ پس جس کا بھائی اس کے زیر دست ہو اُسے چاہیے کہ جو خود کھاتا ہے اُسے بھی کھلائے اور جو پہنتا ہے اُسے پہنائے اور ان پر مشقت نہ ڈالو اور اگر مشقت ڈالو تو ان کی مدد بھی کرو۔

شمارِ حین حدیث نے اس کی شرح میں اظہار کیا ہے لیکن یہاں پر تمام مباحث کا استقصاء نہیں ہو سکتا۔ اس سے مقصد صرف اس چیز کو بیان کرنا ہے کہ کسی شخص کو دوسرے کے فعل کا طعن دینا کامل الایمان شخص کی شان سے بعید ہے چنانچہ ابو ذر ابھی تک ایمان و معرفت کے آخری مرحلہ پر نہیں پہنچا تھا۔ جب اس نے بلال حبشیؓ کو ”ابن السوداء“ کہہ کر ماں کا طعنہ دیا، بلال نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کی شکایت کی تو آپ نے اس سے پوچھا: تم نے بلال کو گالی دی اور اس کی ماں کی طرف سے اس پر عیب لگایا ابو ذر نے اعتراف کیا، تو آپ نے فرمایا: معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک جاہلیت کا کبر و نخوت تجھ میں موجود ہے۔

یہ بات سن کر ابو ذر نے اپنا رخسار مٹی پر رکھ دیا اور کہا:

”میں اپنا رخسار زمین پر سے نہیں اٹھاؤں گا تاوقتیکہ بلال اپنے پاؤں سے میرا رخسار نہ روندے“ اللہ اکبر!

فی زمانہ لوگوں میں جاہلی نخوت و غور ہمت پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک شہری سے غلطی ہو جائے تو تمام شہر والوں کو گالیاں دینے لگتے ہیں کہ جاہلیت ان کے مقابل میں کچھ بھی نہیں۔

(۸۵)

کعبہ کی تولیت پر فخر

وہ کعبہ کی تولیت پر فخر کرتے۔ قرآن پاک نے ان کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا :-

قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُنْشَلَىٰ عَلَيْكُمْ
فَكُنْتُمْ عَلَىٰٰ آعْقَابِكُمْ
تَنْكَبُونَ مُسْتَكْبِرِينَ
بِمَا مَرَّ مِنْكُمْ جُرُودًا
(المومنون ۴۶-۴۷)

تحقیق میری آیتیں تمہیں پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو تم اس سے اکڑتے ہوئے رات کو گپ شب لگاتے ہوئے بہودہ بکواس کرتے ہوئے اپنی ایڑیوں کے بل اٹے بھاگ جاتے تھے۔

اس سے قبل آیت میں بتایا کہ وہ عذاب کو دیکھ کر بے لیا میں گئے تو ان سے کہا جاتے گا کہ آج بلیاؤ نہیں ہماری طرف سے تمہاری کوئی بار نہیں ہوگی کیونکہ اس سے قبل جب ہماری آیتیں تمہیں پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو تم ان کی تکذیب کر دیتے تھے اور تم اپنی ایڑیوں پر اٹے لوٹ جاتے تھے اور ان کے سماع سے سخت اعراض کرتے تھے۔ چہ جائیکہ ان کی تصدیق کر دے اور ان پر عمل کر دے (مستکبرین بہ) یعنی تم بیت الحرام کی تولیت کی وجہ سے فخر و تکبر کرتے تھے۔ پس یہاں پر بہ کی صیغہ بیت اللہ کی طرف لوٹتی ہے۔ اور اس کا گوہر پہلے تو ذکر نہیں ہوا لیکن شہرت کے باعث

اس کی ضمیر لوٹ سکتی ہے۔ وہ رات کو بیت اللہ کے گرد جمع ہوتے۔ اور افسانہ گوئی کرتے اور عموماً ان کی مجلسوں میں قرآن کا ذکر ہوتا اور وہ اُسے سحر یا سحر کہتے (تہجرون) کا لفظ، بحر سے ہے جس کے معنی قطع اور ترک کے ہے یہ جملہ موضع حال میں ہے۔ یعنی اس حال میں کہ تم حق یا قرآن یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ رہے تھے۔ اور بحر بمعنی ہڈیاں بھی آیا ہے یعنی تم قرآن یا آنحضرت یا صحابہ کی شان میں بکواس کرتے تھے اور یہ، بحر بمعنی بیح ہو سکتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

أَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ، ان کے پاس وہ آیا جو ان کے اگلے باپ دادوں کے پاس نہیں آیا تھا۔ (المؤمنون ۷۸)

مطلب یہ کہ مقامات مقدسہ پر ریاست کے سبب تکبر کرنا جاہلی خصلت تھی جیسا کہ فی زمانہ خانقاہوں کے متولی اس قسم کے تکبر سے کام لے رہے ہیں۔ بعض مکہ و مدینہ پر حکومت و ریاست کے سبب دوسرے مسلمانوں سے اپنے آپ کو بلند سمجھ رہے ہیں اور بعض مشاہد یا مسلمانوں کے مقامات کے متولی ہونے کی وجہ سے تکبر میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ بغداد میں اپنی نسبت عبد القادر جیلانی کی طرف کرتے ہیں اور شیخ عبد القادر جیلانی کی قبر کے متولی ہونے کی وجہ سے وہ اندر و نیاز، ذبايح، قراہین، شریک پر قبضہ کیے ہوئے ہیں جو کہ ہنود اور اکراؤ سے تو مسلم جاہل عبادت کے طور پر پیش کر رہے ہیں حالانکہ یہ لوگ نہایت فاسق و فاجر، رذیل اور کینے ہیں لہذا اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ چیز انہیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتی اور نہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا سکتی ہے۔ خواہ عوام ان کے متعلق کچھ ہی گمان کیوں نہ کریں لیکن وہ اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کے نزدیک چیونٹی سے بھی زیادہ حقیر ہیں اور قیامت کے دن

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور رہیں گے۔

(۸۶)

انبیاء کی ذریت سے ہونے پر فخر

وہ انبیاء کی اولاد.... ہونے پر فخر کرتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی ترویج کرتے ہوئے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ لَّيَّا مَا كَسَبْتُ وَ لِّمَنْ لَّيَّا مَا كَسَبْتُمْ
وَمَا كَسَبَتْ أُمَّتِي لِمَنْ لَّيَّا مَا كَسَبْتُمْ
وَمَا كَسَبَتْ أُمَّتِي لِمَنْ لَّيَّا مَا كَسَبْتُمْ
وَمَا كَسَبَتْ أُمَّتِي لِمَنْ لَّيَّا مَا كَسَبْتُمْ

(البقرہ)

”تو کہو کہ جس نے کسب کیا ہے اس کی ذریت کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر اس سے پہلے آیت:

وَمَنْ يُّؤْخِذْ عَنْ صَلَاتِهِ
وَمَنْ يُّؤْخِذْ عَنْ صَلَاتِهِ
وَمَنْ يُّؤْخِذْ عَنْ صَلَاتِهِ
وَمَنْ يُّؤْخِذْ عَنْ صَلَاتِهِ

میں چلا آ رہا ہے اُمّت کے معنی جماعت کے ہیں اور یہ اُمّت بمعنی قصد سے ہے۔ اور ہر وہ جماعت جن کو کوئی چیز دین و عقیدہ یا زمان و مکان جمع کرے اسے امت کہا جاتا ہے اور حکم کے معنی گذرنے کے ہیں۔ اصل میں اس کے معنی افراد کے ہیں۔ (یعنی علیحدگی میں ہونا)

آیت میں اشارہ کیا ہے کہ ان کی طرف محض انتساب تمہارے کچھ کام

نہیں آئے گا۔ تمہیں اگر فائدہ ہو سکتا ہے تو ان کی اتباع اور موافقت سے ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :-

یا معشر قریش، ان ادلی الناس
یا بنی المتفون فکونوا سبیل من
ذالک فانظروا ان کلا یلقا الناس
یحملون الاحمال و یتلقونی
بالدنیا فاصد عنکم
بوجہی

اے قریش! نبی کے سب سے زیادہ قریبی
مستحق لوگ ہوں گے لہذا تم بھی تقویٰ
کی راہ اختیار کرو دیکھتے کہیں ایسا نہ
ہو کہ لوگ تو اپنے اعمال کی گھڑیاں
اٹھا کر میرے پاس آئیں اور تم دنیا کا
بوجھ اٹھاتے ہوئے میرے پاس
آ جاؤ اور میں تم سے اپنا چہرہ پھیر لوں۔

اسی معنی میں سورۃ حجرات میں فرمایا :-
یا ایہا الناس انا خلقناکم من
کدر و اُنثی و جعلناکم
شعوبا و قبا ئل لیتعارفوا
ان اکرمکم عند اللہ
اتقکم (ہجرات ۱۳)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک
عورت سے بنایا اور تمہاری قومیں اور
برادریاں بنائیں اس لیے کہ تم پہچانے
جاؤ اور اللہ کے نزدیک تم میں وہی زیادہ
عزت دار ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔
روکا تسائون عما کانوا یعملون یعنی ان گناہوں میں تم کو نہیں پکڑا جائیگا
جیسا کہ ان کی نیکیوں کا اجر تمہیں نہیں ملے گا۔

یہ خصلت آج بھی بہت سے مسلمانوں میں موجود ہے جن کا سرمایہ افتخار
ہی آباؤ اجداد پر فخر کرنا ہے۔ بعض کہتے ہیں میں عبدالقادر جیلانی کی نسل سے

ملے یعنی ترجیح اور برتری کی بنیاد نسلی امتیازات پر نہیں ہے بلکہ پرہیزگاری پر ہے۔

(مترجم)

ہوں اور بعض کہتے ہیں میں احمد رفاعی کی نسل سے ہوں۔ بعض بکری ہونے کے
 دعویدار ہیں اور بعض عمری، کوئی حسنی حسینی اور علوی ہونے کا دعویدار ہے۔ لیکن
 ان میں نہ کوئی خوبی ہے اور نہ تقویٰ و پرہیزگاری، قیامت کے دن ایسی نسبتیں
 مال و دولت اور اولاد کچھ کام نہیں آئے گی ماسوا اس کے کہ کوئی شخص سلامت دل
 لے کر اللہ کے پاس آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؑ
 کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

یا فاطمۃ بنت محمد لا أغنی عنک من اللہ شیئاً
 کہ اے فاطمہ بیٹی محمدؐ کی میں اللہ کے حضور
 تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔

اور یہ لوگ جو ہر قسم کی فضیلت سے عاری ہیں محض باطل طریقہ سے لوگوں
 کے مال کھانے کے لیے اپنی نسبتیں بیان کر رہے ہیں۔ مثلاً مشہور ہے:-
 کن عصامیا ولا تنکن عظامیا
 کہ اسلاف کی ہڈیاں فروخت کرنے کی بجائے خود
 اپنے میں کوئی خوبی پیدا کرو۔
 تنبی نے کیا خوب کہا ہے:-

ان الفتی من یقول ہا انا اذا

لیس الفتی من یقول کان ابی

”کہ کامل جوان وہ ہے جو اپنے آپ کو پیش کرتا ہے وہ نہیں جو کہتا
 ہے کہ میرے آباء ایسے تھے“

اس قسم کا فخر کرنے والے کی تردید میں کسی نے کیا خوب کہا ہے:-

اقول لمن غدا فی کل یوم

اتقتنع بالعظام وانت تدری

بان الکلب یقنع بالعظام

”جو شخص ہر روز ہمارے سامنے اسلاف کی ہڈیوں پر فخر کرتا ہے
 اس سے میں کہتا ہوں کہ کیا تم ہڈیوں پر قناعت کرو گے اور تمہیں

معلوم نہیں؟ کہ کتا ہی ہڈیوں پر قانع ہوتا ہے۔
اور دوسرے شاعر نے کہا ہے:

وما الفخر بالعظم الروميم و انما
فخار الذی یبغی الفخار بنفسه
”بوسیدہ ہڈیوں پر فخر کوئی چیز نہیں ہے۔ فخر تو وہ ہے جو انسان
اپنی ذات پر کرے۔“

(۸۷)

صانع پر فخر

جاہلیت میں مشرکین اپنے پیشوں پر فخر کرتے۔ چنانچہ قریش کسانوں
پر فخر کرتے۔ مقصد یہ ہے کہ تاجر کے لیے زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنی تجارت
میں کسانوں پر فخر کرے اور کوئی حرفت والا دوسرے حرفت والے پر
فخر کرے کیونکہ یہ سب دنیوی مکاسب ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و
طاعت اور اوامرو نواہی پر عمل کا ذریعہ بنتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ ابدی نجات
حاصل ہو جس پر کہ فخر کا مدار ہے۔ اس کے ماسوا تمام چیزیں بمنزلہ زائل
ہونے والے سایہ کے ہیں اور عارضی نعمتیں ہیں۔ لہذا عاقل کو چاہیے کہ
دنیا دون کی زیب و زینت پر فخر نہ کرے۔ نامعلوم انہیں کب خیر باد کہد یگا
ہم اللہ سے عمل صالح کی توفیق مانگتے ہیں جس سے وہ راضی ہو۔

دُنیا کی عظمت

جاہلیت میں لوگوں کے دل دنیا کی عظمت سے بھرے ہوئے تھے اور وہ اُسے بڑی عزت خیال کرتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اقوال کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِ كَافِرُونَ، وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نُنْزِلُ هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْقُرَيْشِ عَظِيمٍ، أَهْمُ يَقْسُمُونَ رَحْمَةً رَبِّكَ، نَحْنُ نَسْمُنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَنَرَى كَيْفَ يَلْعَنُونَ بَعْضُهَا لِبَعْضٍ يَكْتُمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سَخِرَ بَيْنًا وَرَحْمَةً رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْتُمِعُونَ

اور جب ان کے پاس سچا قرآن پہنچا تو کہنے لگے یہ جادو ہے اور ہم اس کو نہیں مانتے اور کہنے لگے اگر یہ قرآن اللہ کا سچا کلام ہے تو دونوں بستیوں مکہ اور مدینہ سے کسی بڑے سردار پر کیوں نہ اترا۔ کیا تیرے رب کی رحمت کی تقسیم ان کے ہاتھ میں ہے ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے اور انہیں ایک دوسرے پر کئی درجہ بڑھا کر رکھا ہے اس سے غرض یہ ہے کہ ان میں ایک دوسرے سے تابعداری کروائے اور جو مال و متاع یہ اکٹھا کرتے ہیں تیرے مالک کی مہربانی کہیں اس سے بہتر

(الزخرف ۲۰-۲۳)

ان آیات میں محلِ شادمانیت و قالوا لولا نزول هذا القرآن الآية ہے۔

قرینین سے مراد مکہ اور طائف ہیں ابن عباسؓ فرماتے ہیں مکہ میں ولید بن مغیرہ غزوئی اور طائف میں حبیب بن عمرو بن عبید اشقی تھے اور یہ دونوں بڑے صاحب جاہ اور مالدار تھے۔ ولید بن مغیرہ "ریحانہ قریش" کے لقب سے مشہور تھا اور کہا کرتا تھا، جو کچھ محمدؐ کہتا ہے اگر یہ کلام برحق ہے تو اسے یا تو مجھ پر اترنا چاہیے تھا اور یا عروہ بن مسعود نقضی پر۔ اس طرح انہوں نے ایک دوسرے طریقہ سے نبوت کا انکار کیا۔ اولاً تو انہوں نے کہا، نبی بشر نہیں ہو سکتا پھر جب دلائل سے بشر کی نبوت ثابت کی گئی تو انہوں نے ایک دوسرے طریقہ سے نبوت کا انکار شروع کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر حکم لگایا کہ ان دونوں شخصوں میں سے کسی ایک کو نبی بنایا جائے اور ان کا "بذل القرآن" کہنا قرآن کی امانت کے لیے تھا کیونکہ انہوں نے یہ بات بطور انکار کہی تھی گو یا ان کا مطلب یہ تھا کہ یہ جھوٹ جس کا محمدؐ دعویٰ کر رہا ہے اگر بالفرض برحق ہے تو اس کا مستغنی کوئی سردار ہونا چاہیے تھا۔ یہ ان کی جہالت تھی کیونکہ نبوت و رسالت تو عظمت نفس کی مستدعی ہوتی ہے جو ذلیل سے پاک ہو اور کمالات و فضائل قدر سے بے آراستہ ہو نہ کہ وہ جو دنیا کی زیب و زینت کا مالک ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کا انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ، کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے تقسیم کرنے والے یہ ہیں؟ اور اس میں ان کے حکم کا مذاق اڑایا کہ کیسے ممکن ہے کہ ان کے ارادہ کے مطابق قرآن نازل کیا جائے۔ حالانکہ دنیا کی زندگی میں ان کی معیشت کو ہم نے تقسیم کیا ہے جو کہ حکم و مصالح کے مطابق ہے اور ہم نے یہ تقسیم ان پر نہیں چھوڑی کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ اس کی تدبیر سے سراسر عاجز ہیں۔

پھر ہم نے رزق اور مبادی رزق میں تفاوت رکھا ہے جو ہماری حکمت کے تقاضا کے مطابق ہے۔ بعض کمزور اور بعض قوی ہیں کوئی غنی اور کوئی فقیر ہے۔ اسی طرح خادوم و مخدوم اور حاکم و محکوم کا تفاوت پایا جاتا ہے تاکہ لوگ مصالح اور ضروریات زندگی میں ایک دوسرے کے محتاج رہیں اور اپنے اشتغال

میں ایک دوسرے سے مدد لے سکیں حتیٰ کہ زندگی بسر کر سکیں اور اپنی آسائش کی چیزیں حاصل کر سکیں۔ یہ تفاوت نہ تو غنی کے کمال کی دلیل ہے اور نہ فقیر کے ناقص ہونے کی۔ اور اگر یہ معاملہ انسانی تدبیر پر چھوڑ دیا جاتا تو یہ کب کے ہلاک اور ضائع ہو چکے ہوتے۔ لہذا جب وہ دنیا کے مصالح اور اس کے سامان کی تقسیم میں بے دخل ہیں تو خود ان کی اصلاح اور امور دین کی تدبیر ان کے سپرد کیے ہو سکتی ہے اور وہ کون ہیں جو امر نبوت اور اس کے لیے انتخاب کے متعلق باتیں کرتے ہیں۔ اور آیت کریمہ نحن قسمنا میں اشارہ کہ دنیا کی طلب کے لیے کلیتہً اس کی طرف مائل نہیں ہو جانا چاہیے بلکہ اس سلسلہ میں اللہ پر توکل اور بھروسہ بھی ضروری ہے۔ کسی نے کہا ہے:

فَاعْتَبِرُوا نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمُ

تِلْقَاءَ حَقًّا ذَا بِالْحَقِّ نَزَلَ

کہ نحن قسمنا بینہم پر غور کرو۔ اس کو حق پائیں گے اور حق کے ساتھ نازل ہوا ہے۔

اور رَحْمَتُ رَبِّكَ سے مراد نبوت اور اس کے توابع یعنی سعادت دارین ہیں یعنی یہ رحمت دنیا کے ایندھن سے جو وہ اکٹھا کر رہے ہیں کہیں بہتر ہے۔ لہذا عظیم وہ ہے جو اس سعادت سے بہرہ ور ہوا نہ کہ جسے دنیا فانی سے واقفیت ملا۔ آپ جانتے ہیں کہ فی زمانہ بہت سے لوگ اس جاہلی خصلت کو نصب العین بناتے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اگر صاحب علم فقیر ہے تو وہ اُسے کچھ اہمیت نہیں دیتے۔ ان کی نظر مال و دولت پر ہے۔ مالدار آدمی کی بات سنتے ہیں اور اس کی طرف دھیان دیتے ہیں۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے

رب حلم اضاعہ عدم الما ل و جہل غطی علیہ النعیم

”بہت سے عظیم ہیں جن کو عدم مال نے ضائع کر دیا اور بہت جاہل ہیں جن پختوں نے اپنے سائے ڈال رکھے ہیں۔“

(۸۹)

فقراء کو حقیر سمجھنا

یہ بھی جاہلی خصلت ہے کہ معاشرہ میں فقیروں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ

اور جو لوگ اپنے مالک کو صبح اور شام پکارتے ہیں اسی کی رضا چاہتے ہیں، ان کو مت نکال۔

اس آیت کے مضمون کا تعلق دراصل پہلی آیات سے ہے یعنی:

وَأَنذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخْفَوْنَ أَن يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَئِن لَّمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِنْ دُونِ رَبِّي وَلَا شَفِيعٌ لَهُمْ يَتَّقُونَ، وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ مِّنْظُورُهُمْ

اور قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈراؤ جو قیامت کے دن اپنے مالک کے پاس اکٹھا ہونے کا خوف رکھتے ہیں، (وہاں) خدا کے سوا نہ ان کا کوئی حمایتی ہو گا اور نہ سفارش کرنے والا اس لیے کہ وہ گناہوں سے بچتے رہیں اور جو لوگ اپنے مالک کو صبح اور شام پکارتے ہیں اس کی رضا مندی چاہتے ہیں ان کو اپنے پاس سے مت نکال تجھ کو ان کا حساب دینا نہیں ہے اور نہ تیرا حساب ان کو دینا

فَتَكُونُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔ ہے۔ اگر تو ان کو نکالے گا تو بے انصافوں میں شریک ہوگا۔ (۵۱-۵۲)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مذکورہ صفات کے لوگوں کو ڈرانے کا حکم دیا گیا تا کہ وہ متیقن کی صف میں شامل ہو جائیں تو ان کے طرد سے بھی منع کر دیا۔ بعض روایات سے مفہوم ہوتا ہے کہ دونوں آیتیں معاً نازل ہوتی ہیں اور بعض دوسری روایات سے یہ مفہوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل اور طبرانی وغیرہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ قریش کے سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرے اس وقت آپ کے پاس صہیب، عمار، بلال، خباب وغیرہم کمزور مسلمان بیٹھے تھے یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے: محمد! کیا آپ کو اپنی قوم میں سے یہی لوگ ملے ہیں؟ کیا یہی لوگ ہیں جن پر ہمیں سے اللہ نے اپنا فضل کیا ہے؟ کیا ہم ان لوگوں کے تابع ہو جائیں گے، آپ ان کو اپنے پاس سے دفع کریں تو شاید ہم بھی آپ کی بات سن لیں اور تابع ہو جائیں، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

ابن جریر، ابوالشیخ، اور بیہقی وغیرہم نے خباب سے روایت کی ہے کہ اقرع بن حابس تمیمی، عیینہ بن حصن فزاری آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلال، صہیب، عمار، خباب اور چند بے کس مومنین کے ساتھ بیٹھا ہوا پایا۔ جب انہوں نے ان کو آپ کے گرد پایا تو ان کو حقیر خیال کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علیحدہ لے جا کر کہنے لگے: ہم چاہتے ہیں کہ ہماری آپ کے ساتھ الگ مجلس ہو جس سے عرب ہماری فضیلت کا اعتراف کریں۔ کیونکہ آپ کے پاس عربی و فود آتے ہیں، ہمیں شرم آتی ہے کہ آپ کے پاس ان غلاموں میں ہمیں بیٹھا ہوا دیکھیں جب ہم آیا کریں تو ان کو اٹھا دیا کیجیے۔ پھر جب ہم فارغ ہو جائیں تو ان کے ساتھ بخوشی بیٹھیں۔ آپ نے ان کی تجویز منظور فرمائی۔ اس پر انہوں نے کہا لایسے یہ

تحریر ہو جائے۔ آنحضرت نے کاغذ منگایا اور حضرت علی رضی کو تحریر کے لیے طلب کیا کہ حضرت جبریل یہ آیت لے کر نازل ہوئے اس کے بعد آپ نے ہمیں بلایا۔ چنانچہ ہم آگئے اور آپ فرما رہے تھے:

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَي
نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام ۵۴)

چنانچہ ہم آپ کے پاس بیٹھے پھر جب آپ اٹھ کر جانا چاہتے تو آپ ہمیں چھوڑ کر چلے جاتے اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکہف کی آیت نازل فرمائی۔

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ السَّادِیْنَ
یَذْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَ
الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهُ وَکَا
تَعْدُوْا عِیْنَکَ عَنْهُمْ تُرِیْدُ زِیْنَةً
الْحَیْوٰۃِ الدُّنْیَا وَکَا تَطْعَمُ مَنْ
اَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ
ذِکْرِنَا وَاتَّبَعْ هَؤُلَآءِ
کَانَ اَمْرُکَ فُتُوْطًا

اور جو لوگ صبح و شام اپنے مالک کو
پکارتے ہیں اسی کی رضا مندی چاہتے
ہیں، ان کے ساتھ اپنے نہیں روک رکھ
اور دنیا کا سناو و سامان چاہنے کے لیے
اپنی آنکھیں ان کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف
منت دوڑا اور ایسے شخص کا کہا مت
مان جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل
کر دیا ہے اور اپنی خواہش پر چلتا ہے
اور اس کا کام جد سے بڑھ گیا ہے۔ (الکہف ۲۸)

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس بیٹھے رہتے جب اٹھتے
کاٹام آتا تو ہم پہلے اٹھ کر چلے جاتے تاکہ آپ بھی تشریف لے جائیں۔
ابن المنذر وغیرہ نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ غنیمہ اور شیبہ، قرظہ بن
عبد، عمرو بن نوفل، حارث بن عامر بن نوفل اور مطعم بن عدی، عبد مناف کے
اشرف کفار البوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے اگر تمہارا بھتیجا ان غلاموں
اور حلفاء کو اپنے پاس سے ہٹا دے تو ہمارے دلوں میں اس کی عزت بڑھ جائے
اور ہمارے لیے اس کی اتباع اور تصدیق کے لیے راستہ کھل جائے چنانچہ

پہلی آیت میں ان کے طرد سے منع فرمایا اب اس آیت میں ان کے اکرام کا حکم دیا (اشرف المواشی)

ابو طالب نے یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی۔ اس پر حضرت عمرؓ بن الخطاب فرماتے گئے: اللہ کے رسول! آپ یہ بھی کر دیجئیں تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ اس قسم کی باتوں سے ان کی نیت کیسی ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے دَاسْتِذِیہِ الَّذِیْنَ سے اَلِیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشَّکِیوْنِ تک مستحکم نازل کر دیا۔ ان میں غلام تو بلال، عمار بن یاسر، سالم، مولیٰ خدیجہ، صہیب مولیٰ اسید تھے اور حلفاء میں ابن مسعود، مقداد بن عمرو، واکبر بن عبد اللہ غنظلی، عمرو بن عبیدہ عمرو۔ مرثد بن ابی مرثد اور ان جیسے لوگ شامل تھے۔

اور قریش کے ان آئتمہ کفر اور موالی اور حلفاء کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ”ذَکَاۤءَکُمْ فَتَنَّا بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ“ جب یہ نازل ہو چکا تو عمرؓ اپنی گفتار پر معذرت کے لیے آئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: **وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ** اور جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں **بِأَيَاتِنَا** جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

اور آیت میں **مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابٍ** نہی اور جواب نہی کے مابین جملہ معترضہ ہے جس میں طرد متقیین کے جواز کے وہم کو دور کیا گیا ہے کہ اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اور دین میں طعن کرنے والوں کی بائیں بھی حضرت نوحؑ کی قوم جیسی ہیں کہ انہوں نے بھی یہی کہا تھا۔

مَا مَنَوكَ اتَّبَعَكَ الْإِنۡدِیۡنَ کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تمہارے رونے اور سطحی قسم **هُمۡ أَرَادُوا۟ لَنَا بِآدِیِ السَّوۡۤءِ** (ہمزہ: ۴۰) کے لوگ ہی تمہاری اتباع اختیار کر رہے ہیں۔

اور اس جملہ معترضہ کے معنی یہ ہیں کہ ان کے ایمان اور اعمال باطنہ کا آپؐ کو حساب دینا نہیں ہے جیسا کہ مشرک کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ تم اس کے درپے ہو جاؤ اور اس پر احکام کی بنیاد قائم کرو۔ منصب رسالت کے اعتبار سے آپؐ کا وظیفہ صرف ظاہر کو دیکھنا ہے اور اس کے بموجب احکام جاری کرنا ہے اور باطن کا معاملہ اللہ لطیف وخبیر کے سرور کو دیجیے۔ یہ لوگ بظاہر

صبح و شام اپنے پروردگار کو پکار رہے ہیں۔

ابن زید سے آیت کے معنی میں مروی ہے کہ ان کے رزق کا حساب آپ کے ذمہ نہیں ہے۔ اور فقر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے آپ مشرکین کے مطالبہ کے مطابق اقدام کریں اور دَمَائِیْ حِسَابِکَ عَلَیْہُمْ مِنْ شَیْءٍ اس کا عطف باقبل پر ہے۔ پہلے جواب پورا ہونے کے باوجود اس کو لانا مبالغہ کے ساتھ نفی کے لیے ہے۔ یعنی نہ آپ کا حساب ان کے ذمہ ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ سورہ الاعراف اور النحل میں فرمایا:

وَإِذَا حُجِّبَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْذِنُونَ
سَلَفَةً وَكُلَّ يَسْتَفِدُّ مَوْنٌ،
جب ان کی اجل آجائے گی تو اس سے
ایک ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے اور
نہ آگے بڑھ سکیں گے۔
(الاعراف ۳۲)

علامہ زغفری لکھتے ہیں کہ یہ دونوں جملے ایک ہی معنی رکھتے ہیں اور آیت
لَا تَسْتَرْدُّوْا ذُرِّہَا وَذُرِّہَا اُخْرٰی (الانعام - ۱۶) کا مفہوم ادا کر رہے ہیں گویا جانہیں
سے ایک دوسرے کی بجائے مواخذہ کی نفی کی ہے لہذا دو جملوں کا لانا
ضروری تھا۔ اور فَتَكُونُوا مِنَ الظَّالِمِیْنَ جواب نہی ہے۔

(۵۰)

ملائکہ، وحی، رسالت اور دوبارہ زندگی کا انکار

وہ اللہ کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان نہ لاتے
تفسیر کتب حدیث اور عقائد میں اس پر مفصل بحث کی گئی ہے اور اس
سلسلہ میں متعدد آیات ہیں۔ مثلاً سورۃ التغابن میں فرمایا:
زَعَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنْ لَّنْجِ
کافر یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کو پھر وحی

يُبْعَثُوا قُلُوبُ بَنِي وَرَبِّي
لَتُبْعَثَنَّ ثُمَّ لَتُنْبِتُونَ بِمَا
عَمِلْتُمْ وَذَٰلِكَ عَلَى
اللَّهِ يَسِيرٌ

اٹھنا نہیں ہے۔ آپ کہتے تھے کیوں نہیں
میرے رب کی قسم! تم ضرور جلا کر اٹھائے
جائو گے پھر تمہیں تمہارے اعمال سے
آگاہ کیا جائے گا اور یہ بات اللہ پر
نہایت آسان ہے۔ (التغابن - ۷)

اور انکار لعنت پر کچھ جاہلی اشعار بھی ہیں:

وَمَا ذَا الْقَلْبِ قَلْبِ بَدْرٍ
أَوْ قَلْبِ بَدْرٍ مِّنْ كُنْتِ هِيَ بِهَا لَسَ بَدْرٍ
وَمَا ذَا الْقَلْبِ قَلْبِ بَدْرٍ
أَوْ قَلْبِ بَدْرٍ مِّنْ كُنْتِ هِيَ بِهَا لَسَ بَدْرٍ

من الشیخی تزیین بالسنام
جو کو بان کے گوشت سے مزین ہیں
من القینات والشراب الکرام
اور معزین پینے والوں کی جماعت ہے
فہل لی بعد قوخی من سلام
تجینا السلام ام بکر
ہمیں ام بکر سلام کا تحیہ دیتی ہے، مگر قوم کے مرجانے کے بعد یہ سلام کیا
یحدثنا الرسول بان سنجیا
کیف حیاته اصداء وھا ص
ہمیں رسول بتاتا ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہوں گے، بعد ایہ کھوپریاں
کیسے زندہ ہو سکتی ہیں؟
اور دوسرے شاعر نے کہا ہے:

حیاة شم موت شم نشر

حدیث خوافۃ یا ام عمرو

زندگی کے بعد موت اور پھر زندگی، یہ اسے ام عمرو نے کہا اس ہے۔
قرآن کریم میں متعدد آیات ہیں جن میں کفار کے اس انکار کی حکایت

لہ۔ تیسری آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو آخرت کے آئے پر قسم کھانے کا حکم

دیا دیکھیے سورۃ یونس اور سورۃ سبا ۲۰

کی گئی ہے۔ مثلاً سورۃ صافات اور الواقعہ میں ہے :-
 اِذَا امْتَنَّا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا
 اِنَّا لَنَبْعُوْهُنَّ
 ہو گئے تو پھر بھی ہم دوبارہ اٹھائے
 جائیں گے (الواقعہ ۴۷-۴۸)

اور ہم جاہلیت کے معتقدات و ادیان پر متعدد مواضع میں بحث کر چکے ہیں۔

(۹۱)

جِبْت و طَاغُوت پر ایمان

اہل کتاب جبت و طَاغُوت پر ایمان کا اظہار کرتے اور مشرکین کے دین کو مسلمانوں کے دین پر ترجیح دیتے۔ سورۃ نسا میں فرمایا :
 اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اٰتُوْا نَصِيْبًا
 مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ
 وَالطَّاغُوتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ
 كَفَرُوْا هُمْ اَوْ اَهْلٰى مِنْ الَّذِيْنَ
 اٰمَنُوْا سَبِيْكَ (النسا - ۵۱)
 کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا
 جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا کہ وہ بُت
 اور شیطان پر ایمان لے آئے اور
 کافروں سے کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے تو
 یہ زیادہ صحیح راہ پر ہیں۔

اس سے قبل اس آیت پر مفصل بحث گذر چکی ہے یہاں پر صرف یہ بتانا
 مقصود ہے کہ جاہل اہل کتاب مشرکین سے کہا کرتے کہ تمہارا دین مسلمانوں سے
 بہتر ہے اور تم ان سے زیادہ ہدایت پر ہو۔ فی زمانہ اسی منہج پر صوفیہ اور
 غالی قسم کے لوگ کہہ رہے ہیں کہ اہل قبور کی طرف دعوت دینے والے
 اور غالی قسم کے لوگ ان اہل توحید اور حفاظ سنت سے بہتر ہیں جو اس سے
 روکتے ہیں +

علم کے باوجود کتمانِ حق

علم کے باوجود حق کو چھپانا اہل کتاب کی عادت بن چکا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے احبابِ بنی اسرائیل (یہود و نصاریٰ) سے حکایت کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو بشارتیں ان کی کتابوں میں موجود تھیں ان کو چھپا لیا حالانکہ انہیں ان کے ورود کا علم تھا۔ اس پر مفصل بحث شیخ الاسلام کی کتاب "الجواب الصحیح" میں مذکور ہے۔ یہ کتاب اس باب میں بے مثل ہے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بندھنا

مشرکین اور اہل کتاب اللہ تعالیٰ کے متعلق بلا علم باتیں بناتے اور یہی چیز ہر قسم کے فساد کی بنیاد اور ہر گمراہی کی جڑ ہے۔ مسلمانوں میں اس گمراہی میں مبتلا اکثر متکلمین مبتدعہ ہیں۔ یہ لوگ صفاتِ الہیہ میں من گھڑت بحثیں کرتے ہیں اور نصوصِ شریعت میں اپنی خواہش کے مطابق بے جا تاویلیں کرتے ہیں جیسا کہ امامِ رازی نے اساس التقدیس میں کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے رازی کی تزوید کر کے بنیاد ہی اکھاڑ ڈالی ہے اور ان کی گمراہی اور جہالت کو واضح

کر دیا ہے۔ قرآن نے بالکل صحیح فرمایا ہے:
 وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ النَّاسُ بَعْضُكُمْ
 بَعْضٍ لَفُتْسَدَتِ الْأَرْضُ -
 اگر اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ہاتھ سے
 نہ روکے تو زمین بگڑ جائے۔ لیکن اللہ
 کا فضل تمام جہان پر ہے۔
 (البقرہ - ۲۵۱)

(۹۴)

تناقض

مشرکین کی باتوں میں تناقض پایا جاتا ہے۔ جو ان کے گمراہ ہونے کی دلیل
 ہے۔ قرآن میں ہے:
 بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ
 فِي أُمُودٍ مُّتَبَرِّجٍ (ق - ۵)
 بلکہ انہوں نے حق کی تکذیب کی ہے
 اور وہ ڈمگمارہے ہیں۔
 یہی حال فی زمانہ غالی اہل بدعت کا ہے جو اسلام کے دعویدار ہیں لیکن
 عملاً دین کے منافی کام کر رہے ہیں۔

یہ یعنی ایک شخص فساد کی ابتداء کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کو اس کی مدافعت کے لیے
 کھڑا کر دیتا ہے۔ اس طرح طاقت کا توازن قائم رہتا ہے اور دین و دنیا میں مفسدین کی سرکوبی
 ہوتی رہتی ہے۔

یہ یعنی کسی ایک بات پر قرار نہیں سخت ذہنی الجھن میں مبتلا ہیں۔

(۹۵ تا ۱۰۰)

کہانت وغیرہ

جاہلیت میں اکثر لوگ جہالت کے سبب توہمات میں مبتلا تھے۔ چنانچہ شگون لینا، زمین پر لکیریں کھینچ کر اور پرندے اڑا کر فال گری کرنا، کہانت طاغوت کے پاس فیصلہ لے جانا وغیرہ جاہلیت کی گمراہیاں تھیں جو فی زمانہ تانا بھی مسلمانوں میں سرایت کیے ہوئے ہیں۔ ان امور پر ہم اپنی کتاب ”بلوغ الارب فی احوال العرب میں مفصل بحث کر چکے ہیں اور وہاں پر جاہلیت کی خرافات اور ہر قسم کی ضلالتوں کا وضاحت سے بیان کیا ہے۔

ان مسائل کے اصول اور کلیات حافظ ابن تیمیہ کی کتاب ”الصارا المستقیم“ سے ماخوذ ہیں۔ لہذا تفصیل کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔

ہم نے ان مسائل کی قدرے تشریح کر دی ہے جن کو اسلام نے باطل قرار دیا ہے۔

والحمد لله ولی الانعام والصلوة والسلام علی خیر الودنام ومصباح

السلام وعلی آلہ وعلیہ ومن تبعہم باحسان

یہ کام ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ کو بروز منگل بعد از صلوٰۃ صبح سرانجام پایا اور

یہ ترجمہ مکمل ہوا

کِتَابُ التَّوْحِيدِ

تالیف :- الامام شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ۔

یہ کتاب شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف "کتاب التوحید" کا سلیس اور بانیاورہ اردو ترجمہ ہے۔

کتاب التوحید ایک ایسے دور کی تصنیف ہے جس میں کم و بیش پوری دنیا کے مسلمان الامام شہداء اللہ قرآن و سنت کی بنیادی اور حقیقی تعلیمات سے غافل اور عقل و بصیرت سے بے نیاز ہو کر شرک و بدعت اور توہم پرستی میں اس حد تک مبتلا ہو چکے تھے اور مگر اہی کا اس انتہا کو پہنچ گئے تھے جس کا نتیجہ بالآخر زوال اقتداء و دشمنوں کی غلامی اور ذلت و نکبت کی شکل میں پورے عالم اسلام پر مسلط ہو کر رہا۔

بارہویں صدی ہجری کے اس دور بے راہی و مگر اہی میں جو اپنی شدت کے اعتبار سے امت مسلمہ کی پوری تاریخ کے تمام گزشتہ ادوار سے زیادہ روح فرسا تھا۔ ایک طرف اندرونی طور پر ملت اسلامیہ کے خواص و عوام کی اکثریت دین کی حقیقی تعلیمات کو پشت پاٹ ڈال کر مشرکانہ اعمال و افعال اور جاہلانہ رسوم و بدعات کو ہی اصل دین قرار دینے پر مہر مہتی تو دو مری طرف صلیبی اور صیہونی سامراجی ہر قسم کی ریشہ دوانیوں اور طرح طرح کی سازشوں کے جال بچھا کر دنیائے اسلام میں سے دین کا باقی ماندہ حصہ اور پوری دنیا سے مسلمان کا نام و نشان مٹانے پر نکلے ہوئے تھے۔

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و عنایت خاص سے یہ منفرد امتیاز عطا فرمایا ہے کہ اس کی تاریخ کے ہر دور میں ہر غریب و آخر

کے موقع پر تجدید اصلاح دین کا فریضہ انجام دینے کے لئے کوئی نہ کوئی مرد کارآمد ضرور منعقد
شہود پر جلوہ فرما ہوتا رہا ہے اور یہ تاریخ کا ایک ایسا تسلسل ہے جو کم از کم اس امت
کے حق میں سنت اللہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسی سنت اللہ کے مطابق بارہویں صدی ہجری کے اس مایوس کن دور میں بھی مشیت
الہی نے دنیاۓ اسلام کے مختلف خطوں میں مسلمانوں کی اصلاح کے متعدد دیدہ و رواں اور
مردان کار پیدا فرمائے۔ مثلاً سرزمین پاک و ہند میں شاہ ولی اللہ اسی خاندان کے عظیم
فرزند شاہ اسماعیل شہید اور ان کے مرشد سید احمد شہید، مصر، سوڈان میں مہدی کبیر،
سید جمال الدین افغانی، مفتی محمد عبده اور ان کے رفقاء کار، بلاد مغرب میں شیخ سنوسی
ان کے سامنے رحمتہ اللہ علیہم جمعین۔

اس دور کی گمراہی اور دین سے انحراف کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے،
نہ یہ چند صفحات اس وقت کے بگڑے ہوئے ماحول کا نقشہ اور اس زمانے میں پیدا
ہونے والے مصلحین و داعیان کرام کی طویل فہرست پیش کرنے اور تجدید و احیائے
دین کے لئے ان کی کوششوں اور جانفشانیوں کو بیان کرنے کے متحمل ہو سکتے ہیں مختصر
یہ کہ ان ہستیوں نے اس دور میں جو عظیم جدوجہد کی اور جو شاندار کارنامے انجام دیئے
وہی دراصل اسلام اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا نقطہ آغاز بنے۔ اسی قافلہ سرفروشاں
کے ایک اہم رکن شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی تھے جن کے حصہ میں خطہ نجد و حجاز
کی تعمیر و اصلاح کا مشکل کام آیا تھا۔

امام محمد بن عبدالوہاب نے اس خطہ میں پھیلی ہوئی مشرکانہ رسوم، بدعتوں اور جاہلانہ
توہمات کے خلاف عملاً جہاد کرنے کے علاوہ معتد بہ علمی سرمایہ بھی چھوڑا ہے جس میں
اہم تر ”کتاب التوحید“ ہے۔ ان کے مجاہدانہ کارناموں اور کتاب التوحید کی
برکت سے اس پورے علاقہ میں توحید کا غلغلہ از سر نو بلند ہوا، مسلمانوں میں لاد

دور گئی اور شرکانہ رسوم و بدعات کی جڑیں کٹ گئیں۔

کتاب کی خوبیوں کا اندازہ تو آپ کو مطالعہ کتاب سے ہی ہو گا۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ دریا کوزے میں بند کر دیا ہے۔ نکتہ توحید کی توضیح و تفسیر اور تحدید و تعیین کے لئے کتاب و سنت کی اصل نصوص پیش کر کے وہ تمام احکام جمع کر دیئے ہیں جن کے مطالعہ سے ایک مسلمان اپنی زندگی کو قرآن و سنت کی روشنی میں اسلام کے حقیقی بیج پر استوار کر سکتا ہے۔

اس کتاب کی عظیم افادیت کا اقتضار تھا کہ یہ ہر مسلمان مرد و عورت کے ہاتھ میں پہنچے تاکہ اس کی مدد سے وہ اپنے اعمال و افعال کا خود جائزہ لے اور ہر قسم کی شرکانہ رسوم، بدعتوں اور قوم پرستی سے نجات حاصل کرے۔

اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کتاب بہترین طباعت کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔

(۲) مختصر سیر الرسولؐ کا اردو ترجمہ

تالیف: شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب

اس کتاب کا لفظ لفظ ایمان کے نور سے منور اور سطر سطر عشق رسولؐ کی مہک سے معطر ہے۔ سیرت کی آپؐ کے بیتیاری کتابیں پڑھی ہوں گی لیکن اس کتاب کی شان کچھ اور اسی ہے۔

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

NEW DELHI-110002

سیرت

شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب

شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب نے عرب کے ریگڑاؤں میں شرک و
 بدعت کی خلاف کس طرح سینہ سپر ہو کر مسلمانوں کے عروقی مڑے میں
 توحید سنت کی روح پھونکی، صدیوں کے جمود کے بعد اسلام کو اُس
 دور کی ایک زندہ حقیقت بنا دیا اور علی طور پر نافذ کر کے دکھا
 دیا۔ اُس تحریک کے اثرات اور شیخ الاسلام کی شخصیت
 کے خطوط کے مطالعے کے لئے شیخ احمد عبد الغفار عطار کی سیاق

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

NEW DELHI-110002

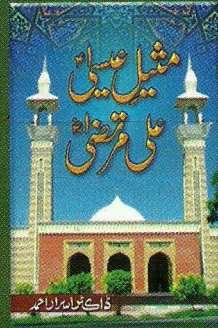
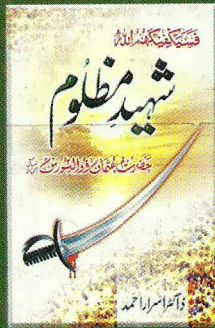
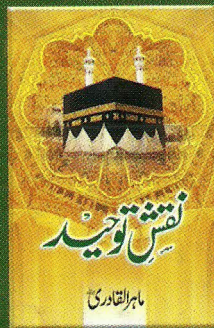
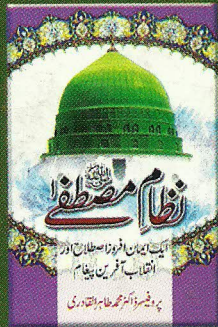
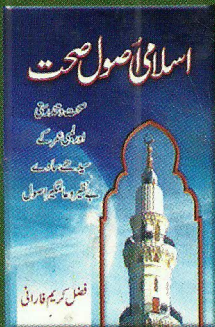
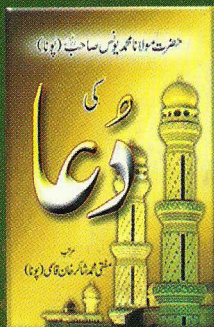
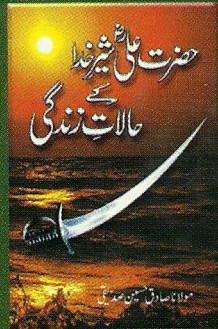
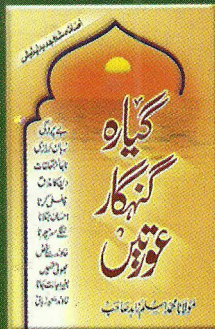
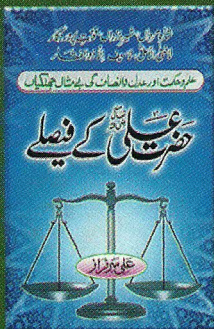
مولانا محمد صادق ہنسالی کوٹی کی شہرہ آفاق تصانیف

۱۶	انوار الزکوٰۃ	۱	صلوٰۃ الرسولؐ
۱۷	رحمت عالم کی دعائیں	۲	جمال مصطفیٰ
۱۸	صدائے وحی (والی بطن کے ارشادات)	۳	انوار التوحید
۱۹	تجلیات رمضان	۴	ریاض الاحسان
۲۰	مرفرد و عالم کا پیغام آخری	۵	سید الکونینؐ
۲۱	شان رب العالمین	۶	شرح خطبہ رحمتہ للعالمینؐ
۲۲	جماعت مصطفیٰ (والی بطن)	۷	ضرر حدیث
۲۳	ساقی کوثر	۸	اعجاز حدیث
۲۴	نمازِ جنازہ	۹	فتاویٰ شمعیں
۲۵	بستان الاربعین	۱۰	اصلاح معاشرہ
۲۶	ارشاد شیخ عبدالقادر جیلانیؒ	۱۱	مسلمان کا سفر آخرت
۲۷	مقام والدین	۱۲	عالم عقبے
۲۸	بیاض الاربعین	۱۳	سبیل الرسولؐ
۲۹	فتنہ دل حج	۱۴	عزب الرسولؐ
۳۰	نماز مقبول مع نورانی دعائیں	۱۵	حج مسنون

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

NEW DELHI-110002



Rs. 60/-

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

2158, M.P. Street, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-110 002
Ph.: 23289786, 23280786, 23289159, Fax : 23279998, Res.: 23262486
E-mail : farid@ndf.vsnl.net.in • Websites : faridexport.com • faridbook.com